

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اسرار السلوك

تصنيف

شيخ الحديث والتفسير

پیرسائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا

048-3215204-0303-7931327

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ضابطہ

| | |
|---------------------|--|
| نام کتاب | اسرار السلوک |
| مصنف | شیخ الحدیث والتفسیر پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی |
| کمپوزنگ | طارق سعید قادری و کاشف سلیم قادری |
| صفحات | 208 |
| بار اول جولائی 2009 | تعداد 1100 |

ناشر رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا

فہرست مضامین

جھلک _____ 5

تعریفات (نظریاتی بحث)

☆ حصہ اول ☆

83 تا 6

☆ پہلا باب علم کی تعریف اور تفصیل _____ 7

علم یا جہالت۔ حصول علم کے ذرائع۔ علم دین کی اقسام۔ حکمت کیا ہے؟ معرفت کیا ہے؟ فقہ کیا ہے؟۔ کونسا علم فرض ہے؟۔ کونسا علم حجاب بن سکتا ہے؟۔ عالم کی تعریف۔ عالم اور جاہل خطیب میں فرق۔ عالم بن کر رہنے کے آداب۔ استاد کا ادب اور اس سے علم حاصل کرنے کا طریقہ۔ سائنسی معلومات اور معاشی ترقی۔

☆ دوسرا باب تصوف کی تعریف اور تفصیل _____ 30

دین کے تین مختلف شعبے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد۔ قرآن کے نزول کا مقصد

☆ تیسرا باب نام نہاد صوفیاء کے فرقوں کا تعارف اور تفصیل _____ 40

حلولی عقیدہ کی تردید۔ تفضیلی رافضی عقیدہ کی تردید۔ دھمال اور رقص کی تردید۔ ملامت کا جھوٹا بہانہ اور اسکی تردید۔ دورِ حاضر میں قلندری۔ مولانا جلال الدین رومی کی وصیت۔ مبلغین تصوف کی خدمت میں۔

☆ چوتھا باب تصوف پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کی تردید _____ 55

تصوف کے میدان میں

☆ حصہ دوم ☆

169 تا 75

☆ پہلا باب بیعت کر لینے کے بعد _____ 76

مرشد کی ضرورت کیا ہے؟۔ بیعت کر لینے کے بعد۔ قصہ سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام۔
آداب مریدی۔ اپنے ذاتی اسباق اور وظائف کی پابندی۔ خلاصہ کتاب صراط الطالبین۔
مالک کی پڑی۔ بیعت کے بعد کیفیات۔ یقین کی دولت۔

☆ دوسرا باب اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے 115

حضرت سیدنا کعب بن مالک ؓ کی توبہ کا واقعہ۔ وطن چھوڑنا پڑ سکتا ہے۔
بک جانا پڑتا ہے۔ اللہ والے بدلہ نہیں لیتے۔ خوف اور امید۔

☆ تیسرا باب اصلاحِ نفس 131

نفس کے معنی۔ نفس کی اقسام۔ نفس کی اصلاح پر ایک اور مقالہ۔

☆ چوتھا باب کاملین کے اوصاف 150

شریعت کی پابندی اور نماز۔ اخلاص۔ اخلاق۔ سخاوت اور مہمان نوازی۔
خدمت۔ استغنائی۔ استقامت۔ ہمارے مرشد کریم مشوری والے سائیں۔

☆ حصہ سوم ☆ اولیاء کے وصیت نامے اور تعلیمات کا خلاصہ

170 تا 204

☆ وصایا ہاشمیہ 171 ☆

مکتوب سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری 179

☆ الوصیہ (شیخ اکبر قدس سرہ) 181 ☆

☆ خلاصہ فتوح الغیب 189 ☆

☆ سلسلہ طیبہ قادریہ 205 ☆

جھلک

فقیر غلام رسول قاسمی عرض گزار ہے کہ فقیر خود کو تصوف کے موضوع پر قلم اٹھانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ ہوا اس طرح کہ چند سال قبل فقیر کو ایک اللہ کے پیارے نے نہایت تاکید حکم فرمایا کہ تصوف کے موضوع پر کتاب لکھو۔

فقیر کی کوشش رہی ہے کہ اپنی کتب کی تصنیف سے پہلے استخارہ کرے۔ لیکن بزرگوں کے فرمان کے بعد استخارہ کرنے کو دل نہیں مانتا تھا اور آپ کا فرمان استخارے کی اجازت کے قائم مقام نظر آتا تھا۔ پھر بھی فقیر نے تقریباً بیس صفحات کا ایک مضمون دستور السالکین کے نام سے شائع کر کے خانہ پری مکمل کر دی۔ لیکن جب آں بزرگ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا تو حکم کی تکمیل نہ کرنے کا احساس دامن گیر ہوا۔ جس کے نتیجے میں ”اسرار السلوک“ نامی مبسوط کتاب لکھنے کی ٹھانی واللہ الموفق۔

اس پر فتن دور میں کسی بھی موضوع پر قلم اٹھاتے وقت احتیاط سے کام لینا پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہو چکا ہے۔ فقیر نے اسی احتیاط کے پیش نظر علمائے کرام سے مشورہ کر لینا اپنی عادت بنا رکھا ہے اور یہ محض اللہ کریم جل شانہ کی توفیق اور مہربانی سے ہے۔ حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر محمد فضل رسول سیالوی صاحب دامت برکاتہم نے فقیر کی درخواست پر اس کتاب کے چھپنے سے پہلے اس کا مطالعہ فرمایا۔ مجموعی طور پر کتاب کو درست قرار دیا، مکمل پروف ریڈنگ فرمائی اور نہایت قیمتی مشوروں اور اصلاحات سے نوازا جزاءہ اللہ احسن الجزاء۔

اے اللہ! تیرا یہ عاجز مسکین پر تقصیر بندہ اپنے کیے پر بھی پشیمان ہے اور جو کچھ نہ کر سکا اس پر بھی پشیمان ہے۔ تجھ سے تیری ہی پناہ میں آتا ہے اور تیرے سامنے تیرے محبوب نبی کریم روف رحیم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ ہی پیش کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ

حصہ اول



علم کی تعریف اور تفصیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمَنًا

علم کا معنی ہے ادراک الشئ بحقیقۃ یعنی کسی چیز کی حقیقت کو سمجھ لینا (مفردات راغب صفحہ ۳۵۵)۔

علم کی بے شمار اقسام و انواع ہیں مثلاً طب، سائنس، ریاضی، جغرافیہ، معاشیات، سیاسیات، ادیان وغیرہ۔

ان علوم میں سے بعض کو علوم تو کہا جاتا ہے کہ مگر وہ دراصل علوم نہیں بلکہ فنون ہوتے ہیں۔ مثلاً خطابت کا فن اور مختلف زبانیں سیکھ لینا اور شاعری وغیرہ۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ کل فن لا یفید علماً لا یعول علیہ یعنی ہر وہ فن جو علم کا فائدہ نہیں دیتا اس کی کوئی اہمیت نہیں (رسائل ابن عربی صفحہ ۱۹۹)۔

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمہ نے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کے نام خط لکھا۔ آپ نے فرمایا: عقل مند کو چاہیے کہ علم صرف ایسا حاصل کرے جس سے اس کی ذات مکمل ہو اور وہ جہاں بھی جائے علم اس کے ساتھ منتقل ہوتا چلا جائے۔ ایسا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص عطا اور مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً طب کا علم صرف اس علاقے میں فائدہ مند ہے جہاں مریض پائے جاتے ہوں اور اگر آپ کسی ایسے علاقے میں چلے جائیں جہاں کوئی مریض نہ ہو تو اس علاقے میں یہ علم بے فائدہ ہے (رسائل ابن عربی صفحہ ۱۹۲ رسالۃ الی الامام الرازی)۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: قیل لبعض الحكماء ای الاشياء تقتنی؟ قال الاشياء التي اذا غرقت سفینتک سبحت معک یعنی العلم یعنی کسی حکیم

سے پوچھا گیا کہ آپ مجھے کون سی چیز تجویز فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ چیزیں کہ جب تیری کشتی ڈوب جائے تو پھر بھی وہ تیرے ساتھ تیرتی رہیں یعنی علم (احیاء العلوم صفحہ ۱۷)۔

علم یا جہالت؟

بعض علوم ایسے بھی ہیں جو مذموم یا نقصان دہ ہونے کی وجہ سے عین جہالت ہوتے ہیں۔ مثلاً جادو اور رقص۔ انہی کے بارے میں حدیث پاک میں ہے کہ ان من العلم جہلا یعنی بعض علوم بھی جہالت ہوتے ہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۰)۔ انہی کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے۔ انما التوبة على الله للذين يعملون سوءاً بجهالة یعنی بے شک اللہ ان لوگوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے جو جہالت کی وجہ سے برا عمل کر بیٹھتے ہیں (النساء: ۱۷)۔

اسکی تفسیر میں حضرت قتادہ تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اجمع اصحاب النبی ﷺ علی ان کل ما عصى به الله فهو جهالة یعنی ہر وہ علم جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو وہ جہالت ہے (تفسیر بغوی جلد ۱ صفحہ ۴۰۷)۔

بعض علوم غیر ضروری ہوتے ہیں اور ان سے محض وقت ضائع ہوتا ہے اور انسان اہم اور ضروری علوم سے رہ جاتا ہے۔ مثلاً علم النجوم اور علم الاولیاء۔ حدیث پاک میں انہی کے بارے میں فرمایا کہ: من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیه یعنی کسی آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو ترک کر دے جن سے اس کا تعلق نہیں۔

اس کے علاوہ علم پر عمل کے ترک کرنے کو بھی جہالت کہا گیا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: مثل الذین حمل التوراة ثم لم يحملوها کمثل الحمار یمثل اسفاراً (المجمعة: ۵)۔

بے فائدہ علم ایسی مصیبت ہے کہ اس کو علم کہنے کے باوجود نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع یعنی میں ایسے علم سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۶۷، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۵۴، ابن ماجہ صفحہ ۳۸۳)۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: عملت فی المجاہدة ثلاثین سنة فما وجدت شيئا اشد على من العلم ومتابعته یعنی میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا اور مجھے علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی (کشف المحجوب صفحہ ۱۸، منہاج العابدین صفحہ ۱۷، رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۲۰)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا: مجھے کوئی وصیت کریں۔ انہوں نے فرمایا: لا تطلب العلم لتحدث به واطلبه لتعمل به یعنی علم اس لیے حاصل نہ کر کہ تو تقریر کرے گا بلکہ تو اس لیے حاصل کر کہ اس پر عمل کرے گا (بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۷۷)۔

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ لوگ اپنے عیب جاننے کے باوجود صحیح راہ کی طرف نہیں لوٹتے؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ یہ لوگ علم پر عمل کرنے کی بجائے علم پر فخر کرنے لگ جاتے ہیں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۸۹)۔

حضرت شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس: العلماء الغافلين والفقراء المداھنین والمتصوفة الجاهلین یعنی تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ غافل علماء، چالوسی پسند فقراء اور جاہل صوفیا۔

غافل علماء وہ ہیں جو دنیا کمانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، حکمرانوں کے در کا طواف کرتے ہیں، لوگوں میں جاہ و جلال حاصل کر لینے کو اپنی معراج سمجھتے ہیں، غرور کرتے ہیں اور اپنی ذہانت پر خود ہی فریفتہ ہیں، اپنے کلام میں رقت اور سوز پیدا کرنے کے چکر میں رہتے ہیں، اگلے بزرگوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں بھی رکھ دو تو یہ لوگ اپنی بری حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

مداھنت پسند فقراء وہ ہیں جو اپنی چالوسی کو پسند کرتے ہیں۔ اپنی خواہش کے خلاف ہر بات کو ناپسند کرتے ہیں خواہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ مداھنت کا لفظ دھن سے بنا ہے۔ دھن کا معنی ہے تیل۔ مداھنت سے مراد ہے مکھن لگانا یعنی چالوسی کرنا۔

جاہل صوفیاء وہ ہیں جن کا کوئی پیر و مرشد نہ ہو اور کسی بزرگ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے باقاعدہ روحانی تربیت حاصل نہ کی ہو۔ پیر کا بیٹا یا بھتیجا وغیرہ ہونے کی وجہ سے خود بخود بن بلائے مہمان کی طرح مخلوق خدا کے درمیان کود پڑا ہو۔ ایسا شخص اگر کسی کو خلافت بخش دے تو وہ خلیفہ دنیا کا کیا حشر کرے گا، اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

شیخ کامل پر لازم ہے کہ ان تینوں گروہوں کو اچھی طرح یاد رکھے اور اپنے مریدوں کو ان کی صحبت سے بچ کر رہنے کی تلقین کرے (تقریباً یہ ساری بحث کشف المحجوب صفحہ ۱۸-۱۷ پر موجود ہے)۔

علم نہ ہونے کے باوجود خود کو عالم سمجھنا جہالت کی سب سے بڑی ڈگری ہے۔ آج کے دور میں جو اچھا قاری ہو، جو اچھی طرز لگا لیتا ہو، جس کی آواز سریلی ہو اور جو اچھا نعت خوان ہو وہ بڑے آرام سے ایک بہت بڑی مسجد سنبھال کر بیٹھ سکتا ہے۔ کئی کئی سلسلوں سے خلافت حاصل کر لینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

ان لوگوں کا مقصد محض روزگار چلانا اور روٹی کمانا ہے۔ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے (طبقات صوفیہ صفحہ ۱۳۳)۔

گویا اب اصل علم کی تعریف یہ رہ گئی کہ: العلم نور فی قلب المومن مقتبس من مصابیح مشكاة النبوة من الاقوال المحمدية والافعال الاحمدية والاحوال المحمودية يهتدى به الى الله وصفاته و افعاله و احكامه یعنی علم ایک نور ہے جو مومن کے قلب میں موجود ہوتا ہے، فانوس نبوت کے طاق سے پھوٹنے والے اقوال محمدیہ اور افعال احمدیہ سے حاصل کیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال اور احکام کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے (مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۳۶۴)۔

حصول علم کے ذرائع

علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

۱۔ حواسِ خمسہ ۲۔ مخبر صادق ۳۔ وحی۔ حواس اور مخبر صادق کی بات تو ہر کوئی تسلیم

کر لیتا ہے، لیکن وحی کا ذریعہ علم ہونا بعض لوگوں کو کھٹکتا ہے۔ ہم ایسے لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کبھی سچا خواب تو دیکھا ہوگا۔ یا کسی کو بیان کرتے سنا ہوگا کہ اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا دوسرے دن بعینہ حقیقت میں دیکھا۔ آخر یہ سچا خواب کیا چیز ہے اور کون یہ خواب دکھاتا ہے؟ ایک عام آدمی سچا خواب دیکھ سکتا ہے تو کسی پیغمبر پر وحی کا آنا اور خدا کی طرف سے زندگی گزارنے کے آداب اور ہدایات فراہم ہونا سمجھ سے بالاتر نہیں رہنا چاہیے۔

علم دین کی اقسام

علم دین کی دو قسمیں ہیں۔ علم ظاہر اور علم باطن۔

علم ظاہر: علم ظاہر سے مراد شریعت کا علم ہے۔ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔

علم باطن: حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعاین فاما الاول فبشئہ واما الآخر لو بشتہ لقطع هذا البلعوم یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم سیکھے ہیں، ایک علم وہ ہے جو میں بیان کرتا ہوں اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں بیان کروں تو میری گردن کاٹ دی جائے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳)۔

تمام انبیاء و رسل علم ظاہر و باطن دونوں کے جامع تھے۔ انہی کے توسط سے اولیاء کا ملین کو بھی یہ دونوں علوم عطا ہوئے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ انزل القرآن علی سبعة احرف لكل آية منها ظہر و بطن و لكل حد مطلع رواہ فی شرح السنة قرآن سات لہجوں پر نازل ہوا ہے۔ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلع ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۵)۔ اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: فوق کل ذی علم علیم یعنی ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے (یوسف: ۷۶)۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علم رکھنے کے باوجود

فرماتے تھے: رب زدنی علما اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور ادا اور وظائف کی ایک حد ہے، انہیں اہل حق اور گمراہ سب پڑھ سکتے ہیں۔ لطائف کی بھی ایک حد ہے، یہ تنکوں کی آگ کی طرح ہے جو فوراً بھڑک جاتی ہے اور فوراً بجھ جاتی ہے۔ لا الہ الا اللہ کو سمجھنا ایک حد ہے، محمد رسول اللہ کو سمجھنا ایک حد ہے۔ لکل حد مطلع ہر حد کی اطلاع پانے والے لوگ جدا جدا ہیں۔

ایک ذکر وہ ہے جو زبان سے ہوتا ہے، ایک ذکر وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے، ایک ذکر وہ ہے جو پورے بدن اور اعضاء سے ہوتا ہے، فقیر پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ محبوب کے مشاہدے میں مستغرق ہوتا ہے اور اس وقت زبانی ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ مشائخ علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ لا ذکر بعد المشاہدہ یعنی مشاہدے کے بعد ذکر نہیں ہے۔

عام آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر زبانی ادا کرتا ہے لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے پوچھا ما حق الشکر؟ تیرے شکر کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ اللہ کریم نے فرمایا اذ اریٰ التعمۃ منیٰ فذلک حق الشکر یعنی جب تم نعمت کو میری طرف سے دیکھو تو یہ شکر کا حق ہے (رسائل ابن عربی، الوصیہ صفحہ ۴۰۸)۔

حیرت والا فقیر بھی خاموش ہو جاتا ہے، مشاہدے والا بھی خاموش ہو جاتا ہے اور من عرف ربہ کل لسانہ یعنی جو شخص اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اسکی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

ہم نے بعض محافل میں جا کر دیکھا ہے کہ سٹیج سیکرٹری یا مقرر تمام حاضرین سے اونچی آواز میں سبحان اللہ کہلاتا ہے، بعض دفعہ ایک یا دونوں ہاتھ کھڑے کرواتا ہے، بعض نعت خوان بھی ہاتھ کھڑے کراتے ہیں، بعض ہاتھ لہرانے کا کہتے ہیں، بعض کھڑے ہو جانے کا کہتے ہیں، ان میں سے بعض اسٹیج پر بیٹھے ہوئے عمر رسیدہ علماء و مشائخ کو بھی یہی کچھ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور زبانی بول بول کر کہتے ہیں کہ اسٹیج سے آواز نہیں آرہی۔ ان احمقوں کو کچھ معلوم نہیں کہ کون سے شخص کی کونسی حد ہے۔ کوئی دل جلا ان کی ایسی باتوں کا کیا جواب دے گا۔ یہاں تو جو چیز پہلے دن منزل ہوتی ہے دوسرے دن وہی چیز حجاب ہوتی ہے۔

علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں اس قدر گہرے سمندر ہیں کہ ہر غوطہ زن اپنی پہنچ اور نصیب کے مطابق ان میں سے موتی ڈھونڈ کر لاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا رواہ مسلم یعنی لوگ سونے اور چاندی کی کان کی طرح الگ الگ استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں، ان میں سے جو جاہلیت میں بہترین تھے جب اسلام لانے کے بعد دین کی فقہ حاصل کی تو ایسے لوگ اسلام میں بھی سب سے آگے نکل گئے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ بعض صلاحیت والے چور ڈاکو اور بد معاش لوگ جب توبہ کر کے راہ طریقت پر چل پڑتے ہیں تو بہت عروج پر پہنچتے ہیں۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: العلم علما نفعلم فی القلب فذاک العلم النافع و علم علی اللسان فذاک حجة الله عز وجل علی ابن ادم رواہ الدارمی یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے، یہ علم نافع ہے۔ اور ایک علم وہ ہے جو زبان پر ہوتا ہے، یہ اللہ عز وجل کی بنی آدم پر حجت ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۷۳)۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جس نے فقہ حاصل کی اور تصوف نہیں سیکھا وہ منافق ہے، جس نے تصوف سیکھا مگر فقہ حاصل نہیں کی وہ زندیق ہے اور جس نے ان دونوں چیزوں کو جمع کر لیا وہ محقق ہے۔

سیدنا قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اول جن کے پاس نہ زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علمائی۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔ سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں، عزلت نشین، خاموش، اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے۔ ایسوں کی ہم نشینی فائدہ دیتی ہے۔ چہارم جنہیں عالم ملکوت میں عزت اور بزرگی حاصل ہے، خدائی اسرار و علوم کے امین، اصلاح خلق پر مامور، انبیاء علیہم السلام کے جانشین، انسانیت کے جوہر خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ ان کی مخالفت مت کرو (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳۳ کا حاصل)۔^۴

ایک دن آپ کے اجتماع میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی، آپ

نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری، پھر تیسری، حتیٰ کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کیں، پھر دوسری تفاسیر کو شروع فرمایا حتیٰ کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور دلیل بیان کی اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہل اجتماع حیرت و تعجب میں غرق ہو گئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں، پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کلمہ تو حید کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش و اضطراب موجزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے (اخبار الاخیار صفحہ ۳۸)۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ: الباطن سر من اسرار اللہ عز و جل و حکم من حکم اللہ یقذفہ فی قلوب من یشاء من عبادہ یعنی باطن اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۹)۔

حکمت کیا ہے؟

حکمت سے مراد مصلحت ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة یعنی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ فرشتوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حکمت کو نہ سمجھا تو یہی کہا کہ سب حنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم یعنی تو پاک ہے، ہمارے پاس کچھ علم نہیں سوائے اسکے جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو علم والا حکمت والا ہے (البقرة: ۳۲)۔ اسی لیے اللہ کریم جل مجدہ کا ایک نام حکیم بھی ہے۔

انسان جب اپنی خداداد صلاحیت اور استعداد سے کام لے کر کسی حتمی اور فیصلہ کن بات تک پہنچتا ہے تو اسے بھی حکمت کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے حَکَمْتُ السَّفینَةَ میں نے کشتی کو صحیح سمت پر چلایا۔ کشتی لمحہ بہ لمحہ پھسلتی اور مضطرب رہتی ہے مگر اسے صحیح رخ پر لے کر جانا حکمت ہے۔ اس اعتبار سے امت کی صحیح سمت میں راہنمائی کرنے والے عالم یا صوفی کو حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی سیاسی طور پر اصلاح کرے تو اسے حکیم نہیں کہا جاتا بلکہ حاکم کہا جاتا ہے۔ حاکم کا فیصلہ حکم ہوتا ہے اور حکیم کا فیصلہ حکمت ہوتا ہے۔ حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے اور حکمت کا

تعلق باطن سے ہوتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا یعنی جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی (البقرہ: ۲۶۹)۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک شخص دنیا سے بے رغبت ہے اور خاموش خاموش رہتا ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ، اسے حکمت عطاء کی گئی ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۶)۔

بعض علماء نے حکمت سے مراد فقہ لی ہے (بغوی جلد ۱ صفحہ ۱۱۷)۔ حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کا فہم ہے قال مجاهد: فہم القرآن (بغوی جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔

بعض علماء نے حکمت سے مراد سنت لی ہے۔ حدیث محض قول کو کہتے ہیں جبکہ سنت ایک حتمی اور قابل عمل چیز کا نام ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ حکمت سے مراد کسی بات کے پس منظر میں چھپی ہوئی مصلحت ہو یا اس سے مراد فقہ ہو یا اس سے مراد سنت ہو، تینوں باتوں میں ایک ہی روح موجود ہے۔

بیضاوی میں سورۃ بقرہ آیت ۱۲۹ يعلمہم الكتاب والحکمة کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: الحکمة ما تکمل بہ نفوسہم من المعارف والاحکام یعنی حکمت وہ چیز ہے جس سے لوگوں کے نفوس، معارف اور احکام سے لبریز ہو جائیں (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۸۷)۔ دوسری جگہ پر سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: يعلمہم الكتاب والحکمة ای القرآن والسنة یعنی حکمت سے مراد سنت ہے (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)۔ تیسری جگہ پر سورۃ جمعہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: يعلمہم الكتاب والحکمة: ای القرآن والشریعة او معالم الدین من المنقول والمعقول و لو لم یکن سواہ معجزۃ لکفاه یعنی حکمت سے مراد شریعت اور دین کے منقول اور معقول اسرار و رموز ہیں کہ اگر معجزات نہ بھی دکھائے جاتے تو یہ کافی ہوتے (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲)۔

معرفت کیا ہے؟

علم باطن کی باریکیوں کو سمجھ لینا معرفت ہے۔ المعرفة والعرفان ادراک الشئ

بتفکر و تدبیر لاثرہ و هو اخص من العلم و یضادہ الانکار یعنی کسی چیز کے نتیجے پر پہنچنے کے لیے اس میں غور و خوض کر کے اس کا ادراک حاصل کرنا معرفت اور عرفان ہے اور یہ علم سے اخص ہے (یعنی ہر معرفت علم ہے اور ہر علم معرفت نہیں ہے) اور اس کی ضد انکار ہے (مفردات صفحہ ۳۴۳)۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کی زبان میں معرفت علم کو کہتے ہیں لہذا ہر علم معرفت ہے اور ہر معرفت علم، اور ہر شخص جو عالم باللہ ہے وہ عارف باللہ بھی ہے۔ ہر عارف عالم بھی ہے، مگر صوفیاء کے نزدیک معرفت ایک ایسے شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ پہچانے۔ اس کے بعد اللہ کے ساتھ تمام معاملات میں سچا اور اخلاص والا ہو۔ پھر اپنے ردی اخلاق اور آفاتِ نفس سے پاک ہو۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک طویل عرصہ کے لیے ٹھہرا رہے۔ اور وہ اپنے دل سے (اسی دروازے) پر معتکف رہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر اسے یہ خوش بختی حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف اپنی توجہ دے گا۔ اور وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے خلوص و صدقِ دل سے عمل پیرا ہوگا۔ اور اس سے خواطرِ نفس (نفسانی خیالات) پیش آنے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے دل کے کسی ایسے خاطر (خیال) کی طرف توجہ نہ دے گا جو غیر اللہ کی طرف دعوت دے۔ چنانچہ جب بندہ مخلوق سے اجنبی ہو جائے اور آفاتِ نفس سے بری اور ساکنات اور ملاحظات سے پاک ہو جائے اور راز میں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں رہتا ہو اور ہر لحظہ اللہ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ باتیں کرے، اس طرح کہ ان تمام تقدیروں کے رد و بدل کا راز جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، وہ اسے بتا دے، تب جا کر بندہ عارف کہلاتا ہے اور اس کی حالت معرفت کہلاتی ہے۔ مختصر یہ کہ جس قدر انسان اپنے نفس سے بیگانہ بنے گا۔ اسی قدر اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی (رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۵۸)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں، اس لیے کہ میں اس کا اثر اپنے گدھے اور خادم میں محسوس

کرتا ہوں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۷۷)۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ شخص جو کسی چیز کا معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کا نام عارف رکھا گیا اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے نا آشنا ہو اس کا نام عالم رکھا گیا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۴۳۲)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا عارفین اللہ کے سامنے اپنی کیا حاجت پیش کرتے ہیں؟ فرمایا، اللہ کے پاس ان کی صرف یہ حاجت ہوتی ہے کہ اللہ ان کی نگہبانی کرے اور ان کا خیال رکھے۔ حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عارفین کو صرف استقامت کی احتیاج ہوتی ہے (کتاب اللمع صفحہ ۷۴)۔

فقہ کیا ہے؟

علم ظاہر کی باریکیوں کو سمجھ لینا فقہ ہے۔ فقہ کی تعریف یہ ہے کہ ہو التوصل الی علم غائب بعلم شاہد و هو اخص من العلم یعنی یہ دستیاب علم کے ذریعے غائب علم تک پہنچنے کا نام ہے اور یہ علم کی ایک مخصوص شاخ ہے (مفردات راغب صفحہ ۳۹۸)۔

لیکن امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہو معرفة النفس مالہا وما علیہا یعنی فقہ نفس کی معرفت کا نام ہے کہ اس کے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی جو تعریف بیان فرمائی ہے اس کی روشنی میں فقہ اور تصوف میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کی روحانی فراست کے مالک تھے۔ محقق اسی کو کہا جاتا ہے جو تصوف اور فقہ کو باہم جمع کر کے دکھا دے۔ ومن جمع بینہما فقد تحقق۔

ایک مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہر پر وضو فرما رہے تھے۔ اوپر کی طرف ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ اس کے وضو کا پانی جب آپ کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فرمایا: اے شخص تجھے شرم نہیں آتی، تم فلاں قسم کا گناہ کرتے ہو؟ اس نے پوچھا آپ کو میرے گناہ کا کیسے علم ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ وضو کے پانی میں بہہ

جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے وضو کا پانی تمہارے اس گناہ کو بہا کر میرے سامنے سے گزر رہا تھا۔ (حدیث شریف میں ہے: اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله یعنی مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔ اسکے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ یہ کرامت مجھ سے واپس لے لے۔ میں لوگوں کے گناہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: اندر اصول این طریقت شانِ عظیم داشت یعنی امام اعظم اس طریقت کے اصولوں میں عظیم شان کے مالک تھے (کشف المحجوب صفحہ ۹۸)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہ العزیز نے خواب میں محبوب کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا عند علم ابی حنیفہ یعنی ابو حنیفہ کے علم کے پاس (کشف المحجوب صفحہ ۱۰۱)۔

شیخ اکبر قدس سرہ العزیز لیتفقہو افی الدین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اگر سب لوگوں کے لیے علم حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم استعداد رکھنے والے افراد پر واجب ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ظاہری علم دنیاوی ضروریات اور مصلحتوں کے پیش نظر ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا اور باطنی علم حاصل کرنے کی استعداد ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ دین کی فقہ کا تعلق قلبی علوم سے ہے نہ کہ کسی علوم سے۔ علم حاصل کرنے والا ہر شخص فقیہ نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وجعلنا علی قلوبہم اکنۃ ان یفقیہوہ یعنی ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں وہ فقہ نہیں رکھتے (الانعام: ۲۵)۔ لہذا جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑا ہو اور تزکیہ و صفائی کی راہ پر چل پڑے حتیٰ کہ علم اس کے قلب سے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر پر وحی نازل فرمائی کہ: ”اے بنی اسرائیل یہ مت کہو کہ علم آسمان میں ہے اسے وہاں سے کون اتارے گا، یا علم زمین کی تہہ میں ہے اسے کون اوپر لائے گا، یا علم سمندر کے پار ہے اسے کون منگوائے گا، بلکہ علم تمہارے دلوں میں ڈالی جانے

والی چیز ہے، میرے سامنے بیٹھ کر روحانیت کے آداب سیکھو، اور صدیقین کے اخلاق اپناؤ، میں تمہارے دلوں میں علم ظاہر کر دوں گا حتیٰ کہ وہ تمہیں ڈھانپ لے گا اور تم پر چھا جائے گا۔

لہذا تفقہ سے مراد وہ علم ہے جو قلب میں رچ بس جائے، اس کی رگوں کے ذریعے نفس میں اتر جائے، اس کا اثر انسانی اعضاء اور جوارح پر ایسا ظاہر ہو کہ انسان اپنے اس علم کے خلاف کسی چیز کا ارتکاب نہ کر سکے، ورنہ وہ عالم نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو فقیہ نہیں کہا جس پر اللہ کا خوف نہیں بلکہ انسانوں کا خوف غالب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لانتہم اشدر ہبۃ فی صدورہم من اللہ ذلک بانہم قوم لا یفقہون یعنی ان کے دلوں میں اللہ کی بجائے غیر کا خوف غالب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقہ نہیں رکھتے (الحشر: ۱۳)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ عالم کے لیے اللہ کا خوف لازم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یخشى اللہ من عبادہ العلماء یعنی اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی لوگ اس سے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں (فاطر: ۲۸)۔ (تفسیر ابن عربی جلد ۱ صفحہ ۲۹۷)۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ علم ظاہر کی باریکیاں اور علم باطن کی باریکیاں آپس میں ایک ہو چکی ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا نہیں۔ لیکن یہ بات مبتدی طالبوں کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ یہیں پہنچ کر رب زدنی علماً پڑھا جائے تو مزہ ہے۔ یہاں پہنچنے والا شخص صاحبِ تمکین ہوتا ہے ورنہ اس سے پہلے پہلے متکون ہی رہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام صاحبِ تمکین ہوتے ہیں۔

علم باطن کے ماہرین میں سے بعض اسی میں غرق ہو جاتے ہیں اور ان کو حضرت خضر علیہ السلام بھی نہیں پہچانتے، مگر وہ مجذوب نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعض کو واپس لوٹا کر صاحبِ ارشاد بنادیا جاتا ہے۔

کونسا علم فرض ہے؟

اپنی ضرورت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ مثلاً نماز، روزہ کا علم اور مسائل اور اپنے نفس کی واضح حد تک ریاکاری، تکبر اور حسد جیسی روحانی بیماریوں سے اصلاح کو

جاننا اور اپنے اندر اخلاص پیدا کرنا۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجہ صفحہ ۲۰، مسند امام اعظم صفحہ ۲۰)۔

نیز فرمایا کہ: ذنب العالم واحد و ذنب الجاہل ذنبان یعنی عالم اگر گناہ کرے تو یہ ایک ہی گناہ ہے لیکن اگر جاہل گناہ کرے تو یہ دو گناہ ہیں، ایک خود گناہ اور دوسرا علم حاصل نہ کرنے کا گناہ (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۷۶)۔

حضرت امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: العلم ذکر ولا یحبه الا ذکر ان الرجال یعنی علم مذکر ہے اور اسے مرد ہی پسند کرتے ہیں (احیاء العلوم صفحہ ۱۷)۔

اسلام کے اہم احکام اور اچھے برے کی تمیز ہر دور میں سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہی دین کا تواتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: علیکم بدین العجائز یعنی بوڑھی عورتوں کے دین پر کار بند رہو (الیواقیت والجواہر صفحہ ۸۰)۔

حضرت علامہ ابوالمعالی الجونی علیہ الرحمۃ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا کہ: میں عقائد اور نظریات کی لمبی بحث سے تنگ آ کر اپنی ماں کے عقیدے پر مرنے لگا ہوں، یا شاید فرمایا کہ نیشاپور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدے پر مرنے لگا ہوں ہا انا ذاموت علی عقیدۃ امی، اوقال علی عقیدۃ عجائز اہل نیسابور (مقدمہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۷)۔

کونسا علم حجاب بن سکتا ہے؟

یہی علوم جو یا تو جہالت ہیں یا لائینی ہیں، یا وہ فنون ہیں، یا پھر ان پر عمل نہیں، یہ سب محض حجاب ہیں۔ منطق کی ہنک بندیاں بھی حجاب کے سواء کچھ نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صغریٰ اور کبریٰ کو ملا کر جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ بالکل خلاف واقعہ ہوتا ہے اور امت میں انتشار کا سبب بنتا ہے۔ علم مناظرہ اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر یہ بھی بعض اوقات چڑ اور عناد کا سبب بنتا ہے اور اللہ و بندے کے درمیان حجاب بنارہتا ہے۔ بعض لوگ اپنے علم کی بناء پر اپنے شیخ کی کسی بات پر اعتراض کر دیتے ہیں اور ان کے لیے ان کا علم حجاب بن جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جاہل کا

عالم کی تعریف

صحیح عالم وہ ہے جو عارف ہو۔ جتنا کوئی اللہ کو پہچانتا چلا جاتا ہے اتنا ہی اللہ سے ڈرنے لگتا ہے۔ اسی لیے محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا یعنی میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (بخاری حدیث نمبر ۲۰)۔

نیز فرمایا اَنَا أَعْلَمُهُم بِاللَّهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً یعنی میں سب لوگوں سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۱، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے اوپر ترجمۃ الباب میں لکھا ہے کہ المعرفة فعل القلب یعنی معرفت دل کا فعل ہے۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ یعنی اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علماء ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ من خشى الله فهو عالم یعنی جو اللہ سے ڈر گیا وہ عالم ہے (دارمی صفحہ ۱۱۳)۔ اللہ کریم فرماتا ہے: ان الذين اوتوا العلم من قبله اذ ابتلى عليهم يخرون للاذقان سجدا یعنی بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں (اسراء: ۱۰۸، ۱۰۷)۔ حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انما الفقيه من يخاف الله یعنی فقیہ وہ ہے جو اللہ سے خائف رہتا ہو (دارمی صفحہ ۱۰۶)۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لا يكون الرجل عالما حتى لا يحسد من فوقه ولا يحقر من دونه ولا يبتغى بعلمه ثمنا یعنی کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں بن سکتا جب تک اپنے سے اوپر والے سے حسد نہ چھوڑ دے اور اپنے سے نیچے والے سے حقارت نہ چھوڑ دے اور اپنے علم کے ذریعے دولت کماتا نہ چھوڑ دے (دارمی صفحہ ۱۰۵)۔ ایسے ہی علماء کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرج علیہ یعنی علماء کی دوات کی سیاہی کو شہیدوں کے خون کے ساتھ

تولا گیا تو علماء کی سیاہی غالب آگئی (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۱، ۷۵)۔ نیز فرمایا:
مُجَالَسَةُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ يَعْنِي عُلَمَاءَ كَے پاس بیٹھنا عبادت ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۴)۔

عالم اور جاہل خطیب میں فرق

حسبِ کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اَنْتَزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَ لَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَتْرَكَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رِءً وَّ سَآءً جَهَالًا فَسْتَلَوْا فَافْتَوٰ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَّ اضَلُّوْا يَعْنِي اللّٰهُ تَعَالٰی عِلْمَ كُوْكِخِيْج كَرْنِيْس لے جائے گا بلکہ علماء كے ختم ہو جانے سے علم ختم ہو جائے گا، حتّٰى كہ كوئى عالم نہ بچے گا، لوگ جاہلوں كو اپنا پيشوا بنا لیں گے، ان سے سوال كيے جائیں گے، وہ علم كے بغير جواب ديں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں كو بھی گمراہ كريں گے (بخارى جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۶، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۰)۔

نیز فرمایا: لیاتین علی الناس زمان كثير امرائه قليل فقهاءه كذاب خطبائه مرءون قرائه يتفقہون في غير الدين يا كلون الدنيا كما تاكل النار الحطب، الا وان النار مشوى لهم وبئس للظالمين منزل! يعنى لوگوں پر ايك وقت ضرور آئے گا جب ليڈر كثر ت سے ہوں گے مگر فقہاء قليل ہوں گے، خطيب حضرات جھوٹے ہوں گے، قارى حضرات رياء كار ہوں گے، لوگ دين كے علاوہ دوسرے علوم ميں مہارت حاصل كريں گے، دنيا كا مال اس طرح كھائیں گے جس طرح آگ ايندھن كو كھاتى ہے، خبردار! ايّسے لوگوں كا ٹھكانہ جہنم ہے اور ظالموں كي منزل بُرى ہے (كنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۹۰)۔

ايك حديث ميں ہے كہ: سياىتى على الناس زمان قليل فقهاءه كثير خطباءه يعنى لوگوں پر ايك وقت ايسا آئے گا كہ فقہاء كم ہوں گے اور خطيب زيادہ ہوں گے (طبرانى حديث نمبر ۳۱۱۱، احياء العلوم صفحہ ۱۵)۔

نیز فرمایا: ان اخوف ما اخاف على امتى كل منافق عليم اللسان يعنى مجھے اپنى امت ميں سب سے زيادہ خوف ہر ايّسے منافق كا ہے جو زبان چلانے ميں ماہر ہوگا (كنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۱)۔ اكثر منافقى امتى قراءها يعنى ميرى امت كے اكثر منافق اس امت كے

قاری ہوں گے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۱)۔

نیز فرمایا: ما من عبد یخطب خطبة الا الله سائله عنها ما اراد بها یعنی ہر خطیب جب بھی تقریر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا کہ اس سے تمہاری نیت کیا تھی؟ (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۲)۔ من تعلم العلم مما یتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القيامة یعنی علم اللہ کی رضا کے لیے حاصل کی جانے والی چیز ہے، مگر جس نے دنیا کمانے کے لیے علم سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۵۰، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹، ابن ماجہ صفحہ ۲۲)۔

ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کسی مسجد میں داخل ہوئے۔ آگے ایک آدمی تقریر کر رہا تھا۔ آپ ؓ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آدمی وعظ فرما رہا ہے۔ آپ ؓ نے فرمایا یہ وعظ نہیں کر رہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں مجھے پہچان لو۔ پھر آپ ؓ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا تم ناسخ و منسوخ کا علم جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا فاخرج من مسجدنا ولا تذکر فیہ ہماری مسجد سے نکل جا اور یہاں وعظ مت کر (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۴)۔

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ جب بصرہ میں وارد ہوئے تو آپ ؓ نے وہاں کے واعظین کو وعظ گوئی سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ ان کے منبر توڑ کر پھینک دو۔ لیکن صرف حضرت سیدنا حسن بصری ؓ کا امتحان لینے کے بعد انہیں وعظ کرنے کی اجازت دی (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۷)۔

علماء فرماتے ہیں کہ لا یجوز للرجل من العوام ان یأمر بالمعروف للقاضی والمفتی والعالم الذی اشتہر لانه اسائه فی الادب یعنی عوام میں سے کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی معروف قاضی، مفتی اور عالم کو تبلیغ کرے، یہ بے ادبی ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مرید اپنے شیخ پر بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔

عالم بن کر رہنے کے آداب

العلماء امناء الرسل مالم یخالطوا السلطان ویداخلوا الدنیا فاذا خالطوا

السلطان وداخلوا الدنيا فقد خانوا الرسل فاحذروهم یعنی علماء رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امین ہوتے ہیں جب تک حکمرانوں سے میل جول نہ رکھیں اور دنیا دار نہ ہو جائیں، لیکن جب علماء حکمرانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہ رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے خیانت کرتے ہیں، ایسے علماء سے بچ کے رہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۰)۔ اذاریتم العالم یخالط السلطان مخالطة كثيرة فاعلم انه لص یعنی جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ حکمران کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ چور ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۱)۔ ان الله تبارک وتعالیٰ یبغض عالم دنیا و جاہل الآخرة یعنی بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص سے بغض رکھتا ہے جو دنیا کا عالم ہو اور آخرت کا جاہل ہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۲)۔ ان ابغض الخلق الى الله العالم یزور العمال یعنی اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ ناپسند وہ عالم ہے جو حکومتی کارندوں سے ملاقات کرنے جاتا ہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۲)۔ انما اخاف علی امتی الائمة المضلین یعنی میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ پیشواؤں سے خائف ہوں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۷۷)۔ لیس العی عی اللسان ولكن قلة المعرفة یعنی جہالت کا مریض وہ نہیں جسے زبان چلائی نہ آتی ہو بلکہ جہالت کا مریض وہ ہے جسکے پاس معرفت کی کمی ہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۳)۔ ان ابغض الخلق الى الله تعالیٰ عالم السلطان یعنی بے شک اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند سرکاری عالم ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۹۱)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یهدم الاسلام زلة عالم وجدال منافق بالقرآن وائمة مضلون یعنی اسلام کو گرا دیتا ہے عالم کا پھسل جانا، منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑا کرنا اور گمراہ حکمران (دارمی صفحہ ۱۷۹)۔

سلیمان بن عبد الملک نے ابو حازم علیہ الرحمۃ کے ساتھ طویل گفتگو کی۔ سلیمان نے پوچھا سب سے سمجھدار مومن کون سا ہے؟ ابو حازم نے کہا وہ آدمی جو اللہ کی اطاعت کرے اور لوگوں کو بھی اس پر لگائے۔ سلیمان نے پوچھا کون سا مومن احمق ہے؟ ابو حازم نے کہا جو دوستوں کی

نفسانی خواہشات پوری کرتا رہے اور دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر لے۔ سلیمان نے کہا آپ ہماری صحبت میں رہیں تاکہ ہم تبادلہ کمال کرتے رہیں۔ ابو حازم نے فرمایا اعوذ باللہ۔ میں ایک بادشاہ کی صحبت میں رہ کر اس کی طرف مائل ہو گیا تو نہ زندہ رہوں گا نہ مردہ۔ سلیمان نے کہا کوئی حاجت ہو تو مجھے بتاؤ؟ ابو حازم نے فرمایا مجھے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل کر دو۔ سلیمان نے کہا یہ میرے بس میں نہیں۔ فرمایا میری کوئی اور حاجت نہیں (دارمی صفحہ ۱۷۶)۔

حسب کریم ﷺ نے فرمایا: ینبغی للعالم ان یکون قلیل الضحک کثیر البکاء لا یمازح ولا یصاخب ولا یماری ولا یجادل ان تکلم تکلم بحق وان صمت صمت عن الباطل وان دخل دخل برفق وان خرج خرج بحلم یعنی عالم کی شان یہ ہے کہ کم ہنسے، زیادہ روئے، مذاق نہ کرے، چیخ نہ کرے، بے وقوف نہ بنائے، جھگڑا نہ کرے، جب بولے تو حق کے ساتھ بولے، جب خاموش رہے تو غلط بات سے خاموش رہے، جب داخل ہو تو رفق و محبت کے ساتھ اور جب نکلے تو حلم اور بردباری کے ساتھ (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۶)۔

استاد کا ادب اور اس سے علم حاصل کرنے کا طریقہ

سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ نے فرمایا: ان من حق العالم ان لا تکثر علیہ السؤال ولا تعنتہ فی الجواب، وان لا تلح علیہ اذا اعرض، ولا تاخذ بثوبہ اذا کسل، ولا تشیر الیہ بیدک، وان لا تغمزہ بعینیک، وان لا تسال فی مجلسہ وان لا تطلب زلتہ وان زل، تأتیت او بتہ وقبلت فیئتہ، وان لا تقول قال فلان خلاف قولک وان لا تفشی لہ سرا، وان لا تغتاب عنہ احدا وان تحفظہ شاہدا و غائبا وان تعم القوم بالسلام وان تخصہ بالتحیة، وان تجلس بین یدیہ وان کانت لہ حاجة سبقت القوم الی خدمتہ وان لا تمل من طول صحبتہ انما هو کالنخلۃ تنتظر متی یسقط علیک منها منفعة، وان العالم بمنزلة الصائم المجاہد فی سبیل اللہ، فاذا مات العالم انثلمت فی الاسلام ثلثة لا تسد الی یوم القيامة وطالب العلم یشیعہ سبعون الفا من مرقبی السماء یعنی عالم کا ادب اس طرح کرو کہ اس پر زیادہ سوال نہ کرو اور اسے مت تھکاؤ، جب اس کی طبیعت مائل نہ ہو تو اس

کے پاس مت بیٹھو، جب وہ تھک جائے تو اس کا کپڑا مت کھینچو، اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ مت کرو، اپنی آنکھوں سے اس کے ساتھ باتیں مت کرو، اس کے خطاب کے دوران اس پر سوال نہ کرو، اس کی غلطیاں تلاش مت کرو، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس سے فوری درگزر کرو، اسے یہ مت کہو کہ فلاں آپ کے قول کے خلاف کہتا ہے، اس کا کوئی راز فاش نہ کرو، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کا تحفظ اور دفاع کرو، دوسرے لوگوں کو الگ سلام کہو اور اسے خصوصی سلام کہو، اس کے سامنے بیٹھو اور اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو سب لوگ اس کی خدمت کے لیے بھاگ پڑیں، اس کی صحبت میں زیادہ دیر بیٹھنے سے مت اکتاؤ اس لیے کہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے خدا جانے کب اس سے پھل گرے، عالم روزہ دار مجاہد کی طرح ہے، جب عالم فوت ہو جاتا ہے تو اسلام میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے جو قیامت تک بھر نہیں سکتا، ستر ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے نام کو شہرت دیتے ہیں (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۴)۔

حضرت سلیمان نے فرمایا: لا یزال الناس بخیر ما بقی الاول حتی یتعلم الآخر، فاذا هلك الاول قبل ان یتعلم الآخر هلك الناس یعنی لوگ اس وقت تک بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک ایک عالم اپنی زندگی میں دوسرا عالم تیار کرتا رہے گا، لیکن اگر ایک عالم دوسرا عالم تیار کیے بغیر فوت ہو گیا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۴)۔

وکان ابن عباس یاتی باب الانصار لطلب الحدیث فیقعد علی الباب حتی ینخرج ولا یستاذن، فیخرج الرجل ویقول: یا ابن عم رسول اللہ لو اخبرتني، فیقول: ہکذا امرنا ان نطلب العلم، واذا وقف فلا ینظر من شق الباب اذا کان الباب مردوداً یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انصار کے دروازوں پر حدیث سیکھنے آتے تھے اور دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آپ خود دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے جب تک صاحب خانہ خود گھر سے نہ نکلتا۔ جب صاحب خانہ باہر نکلتا تو کہتا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی، وہ فرماتے ہمیں اسی طرح علم سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب آپ دروازے

کے باہر کھڑے رہتے تو اگر دروازہ بند ہوتا تو دروازے کے سوراخ میں سے اندر نہیں دیکھتے تھے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۷۳۳)۔

اسی طرح کی ایک حدیث دارمی میں بھی موجود ہے۔ اس میں اضافی الفاظ یہ بھی موجود ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے دروازے پر چادر بچھا کر لیٹ جاتا تھا اور میرے منہ پر مٹی پڑتی رہتی تھی (دارمی صفحہ ۱۶۱)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حجر پر سوار ہونے لگے تو ابن عباس نے ان کی رکاب تھام لی۔ انہوں نے فرمایا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اسے چھوڑ دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں علماء اور کبار کا اسی طرح ادب کرنے کا حکم ہوا ہے (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۶۴۲)۔ بعض کتابوں میں اس سے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا اسی طرح ادب کرنے کا حکم ہوا ہے (کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۲، احیاء العلوم جلد ۱ کتاب العلم)۔

سائنسی معلومات اور معاشی ترقی

انسانی جسم کی ساخت (Anatomy) سے متعلق تحقیقات، کائنات کے سائنسی اسرار و رموز سے آگاہی اور زمین کی جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے بعد اگر اللہ کریم جل شانہ کی عظمت اور کارگیری کا اعتراف کیا جائے اور ربنا ما خلقت هذا باطلاً زبان پر جاری ہو جائے تو ایسی معلومات صحیح علم کے زمرے میں آئیں گی، لیکن اگر یہی معلومات مادہ پرستی اور خدا سے دوری کا سبب بن جائیں تو یہ عین جہالت، وقت کا ضیاع اور آخرت کا عذاب ہوں گی۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ صحیح معنی میں علم، دنیا میں کس کے پاس موجود ہے؟ یہیں سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہو جانا چاہیے کہ جہاز، راکٹ، میزائل اور ایٹم بم بنالینے کا نام ترقی نہیں اور نہ ہی کثرت سے دولت کما لینے کا نام ترقی ہے بلکہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کا نام ترقی ہے۔ اگر مہلک ہتھیار بنالینا ہی ترقی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مخلوقات کو تباہ کرنے کا نام ترقی ہے۔ اگر یہ صحیح معنی میں ترقی ہوتی تو ہتھیار بنانے والے لوگ ایسے ہتھیاروں کے استعمال پر

پابندی لگانے کا کبھی نہ سوچتے۔

کار کوٹھی، اے سی، فریج، ٹی وی اور بینک بیلنس سب کچھ موجود ہو مگر رات سونے کے لیے نیند کی گولیاں کھانا پڑیں اور انسان خدا سے غافل ہوتا چلا جائے تو ایسے بد بخت سے وہ شخص ہزار گنا بہتر ہے جو سارا دن محنت مشقت کے بعد رات کو اپنے معمولی سے گھر میں آ کر سیکھ کی نیند سویا کرتا ہو اور کبھی کبھی اپنے رب کو بھی یاد کر لیا کرتا ہو۔

اور اگر سہولیات حاصل کرنے کا نام ترقی ہے تو یاد رکھیے کہ جب سے سہولیات زیادہ ہوئی ہیں، سستی اور کاہلی نے انسانوں کو دبوچ لیا ہے اور بیماریاں پھیلنے لگی ہیں۔

ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہمارے گھروں میں صرف صبح شام کھانا پکتا تھا۔ دوپہر کو اگر کسی کو بھوک ہوتی تو صبح کی بچی ہوئی روٹی میں سے ماں ایک ایک ٹکڑا سب بہن بھائیوں کو توڑ کر دے دیتی تھی۔ بچے اسے لسی سے کھا لیتے تھے۔ زیادہ تکلف کرتے تو پیاز کاٹ کر یا لال مرچ پانی میں گھول کر یا خربوزے وغیرہ کے ساتھ وہ روٹی کھائی جاتی تھی اور مجال ہے کہ کوئی شخص ایسی روٹی کو بھوک سے زیادہ کھا سکے۔ سالن صرف رات کو پکتا تھا۔ جس دن چاول یا ستو بنتے تھے اس دن روٹی نہیں پکائی جاتی تھی۔ اس غذا کو کھا کر دل لگا کر محنت اور مشقت بھی کی جاتی تھی۔ جبکہ لوگوں کی صحت آج کی نسبت بہت اچھی ہو کر رہی تھی اور کسی شخص کو غربت کا احساس نہیں تھا۔ آج بھی سندھ کے اندرونی علاقوں میں تقریباً یہی طریقہ جاری ہے۔ ہمارے مرشد خانہ درگاہ مشوری شریف میں آج بھی فقر کا یہی طریقہ رائج ہے۔

اس کے برعکس ماڈرن گھروں میں تینوں وقت کھانا پک رہا ہے، تقریباً تینوں ہی وقت سالن استعمال ہو رہا ہے، اس کے علاوہ دن میں کئی کئی بار چائے سمو سے بسکٹ وغیرہ اڑائے جا رہے ہیں۔ کھانا کھانے کا ٹائم مقرر کر دیا گیا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بھوک بھی لگی ہے کہ نہیں، پیٹ سے پوچھ کر نہیں بلکہ گھڑی کو دیکھ کر کھانا کھایا جاتا ہے۔ پھر لنڈ سالن بلکہ کئی کئی ڈشوں (رنگ برنگے کھانوں) کے زور پر اپنی برداشت سے زیادہ کھانا کھالیا جاتا ہے۔ دوسری طرف محنت اور مشقت کر کے اس انبار کو ہضم کرنے کی بجائے سہولیات کو ترقی کہا جا رہا ہے، جس

کے نتیجے میں کئی موذی امراض آپ کے سامنے ہیں۔ جس گھر کے افراد کا چاہیں انٹرویو لے لیں، تقریباً ہر فرد بیمار ہے، چھوٹے چھوٹے بچے عجیب و غریب امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

میڈیا پر فحاشی اور بے حیائی سے خود غیر مسلم بھی تنگ آ چکے ہیں۔ اخبار کے مطابق چینی حکومت نے فحش فلموں پر پابندی لگا دی ہے اس لیے کہ ان سے نوجوان نسل تباہ ہونے لگی ہے۔

نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے اندر اتر کر کوئی نہیں دیکھتا کہ ایسی ترقی کے باوجود ان کے ہاں کثرت سے خودکشی کا رواج کیسے پڑا، ایڈز جیسے امراض کیسے پھیلے، کالے اور گورے کی جاہلانہ تفریق آج تک ختم کیوں نہ ہو سکی، ابھی تک وہاں کے انسان ننگے کیوں رہتے ہیں، وہ لوگ کیتوں سے شادیاں کیوں کرتے ہیں اور ڈیول چرچ (Devil Church) نے کیسے جنم لیا ہے۔

میڈیا پر ترقی کی اس بیہودہ تعریف کو ایسا غلط رنگ دے کر پیش کیا جا رہا ہے اور اس طرح کے ڈرامے دکھائے جا رہے ہیں کہ انہیں دیکھ لینے والے بچے تو کجا بڑے لوگ بھی احساس کمتری کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہر شخص اپنے حقوق اور مطالبات کی ایک طویل فہرست اٹھائے پھرتا ہے۔ کسی ایک شخص کا بھی پیٹ بھوکا نہیں لیکن آنکھ اور نیت میں بھوک کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔

ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیس الغنی عن کثرة العرض ولكن الغنی غنی النفس یعنی امیر آدمی وہ نہیں ہے جس کے پاس مال و متاع زیادہ ہو بلکہ امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰)۔

☆.....☆.....☆

دوسرا باب

تصوف کی تعریف اور تفصیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمَنًا بَعْدُ

تصوف کا موضوع توحید اور اللہ کریم جل شانہ کی معرفت ہے۔

تصوف باب تفعل سے مصدر ہے۔ اس باب کی خاصیت کے پیش نظر اس کا لفظی معنی

ہوا ”صاف ہونے کے لیے محنت اور مشقت کرنا“۔ صاحب تصوف کو صوفی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ یا

توصوف سے بنا ہے، یا صفا سے، یا صفہ سے۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۵۵ پر ایک پورا باب موجود ہے جس کا نام ہے ”

لبس الصوف“ اس باب میں متعدد احادیث ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خرج علينا رسول الله ﷺ ذات يوم وعليه جبة رومية

من صوف یعنی ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف لائے اور آپ نے صوف کا بنا ہوا رومی

جہ پہن رکھا تھا (ابن ماجہ صفحہ ۲۵۵)۔

اسی طرح صحیح بخاری میں بھی کتاب اللباس میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا نام ہے

لبس جبة الصوف فی الغزو اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب

کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور آپ نے صوف کا جہ پہن رکھا تھا و علیہ جبة من صوف (بخاری

جلد ۲ صفحہ ۸۶۳)۔ اس مادہ کے اعتبار سے سادگی اور بے تکلفی کو اختیار کرنا صوفی کا خاصہ ہوگا۔

اگر یہ لفظ صفہ سے بنا ہو تو صفہ والے کو صفوی کہا گیا اور پھر یہ ثقالت کی وجہ سے صوفی بنا، جس طرح آج کل مدینہ شریف والے قبا کو قبا کہہ رہے ہیں۔

اب اصحاب صفہ علیہم الرضوان کے احوال اور گزر بسر پر ایک نظر کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک صوفی کس طرح کی سیرت کا مالک ہوتا ہے۔ اصحاب صفہ وہ لوگ تھے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر روحانی تربیت کی خاطر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ صفہ نامی جبوترہ تھا، جو کا شانہ نبوی کے شمال میں تھا اور مسجد شریف کے ساتھ متصل تھا۔ ان کا کھانا پینا لباس وغیرہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔

فقر کے عالم میں ان کا کھانا اور لباس وغیرہ نہایت مختصر اور سادہ تھا۔ اور یہ لوگ ہمہ وقت مجاہدے میں مصروف رہتے تھے۔ ان لوگوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ آج کل جس طرح صوفیائے کالمین کے آستانوں پر کچھ لوگ مستقل رہتے ہیں اور کچھ آتے جاتے رہتے ہیں۔ تقریباً یہی اسی سنت کا انعکاس ہے۔ قرآن مجید میں انہیں فقراء کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔

للفقر آء الذین احصروا فی سبیل اللہ وہ فقراء جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں (البقرة: ۲۷۳)۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وہم اصحاب الصفة اس آیت میں فقراء سے مراد اصحاب صفہ ہیں (معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۵۹)۔ قرطبی میں ہے کہ: وہم اهل الصفة و كانوا نحواً من اربع مائة رجل و ذلک انهم كانوا يقدمون فقراء علی رسول اللہ ﷺ و ما لهم اهل و لا مال فبنیت لهم صفة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فقیل لهم اهل الصفة یعنی یہ لوگ اہل صفہ تھے، جو چار سو کے قریب تھے، ان کے پاس نہ گھر تھا نہ مال تھا، ان کے لیے مسجد نبوی شریف میں جبوترہ تعمیر کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے انہیں اہل صفہ کہا جاتا تھا (قرطبی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)۔

بیضاوی میں ہے: و قيل هم اهل الصفة كانوا نحواً من اربع مائة من فقراء المهاجرين يسكنون صفة المسجد يستغرقون اوقاتهم بالتعلم والعبادة، و كانوا ينخرجون فی کل سرية بعثها رسول اللہ ﷺ یعنی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اہل صفہ تھے جو چار سو

کے قریب مہاجر فقراء تھے، مسجد کے جبوترے پر رہا کرتے تھے، ہر وقت علم حاصل کرنے اور عبادت کرنے میں غرق رہتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے ہر لشکر میں شامل ہو کر جہاد کرتے تھے (تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱)۔

یہ لوگ کثرت سے ذکر کرتے تھے اور اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان لوگوں کو وقت دیا کریں اور انہیں اپنی نگاہِ رحمت میں رکھیں۔ و اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم ترجمہ :- اے محبوب اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس روکیے جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے ہیں، اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور ان سے اپنی نگاہیں مت ہٹائیے (الکہف: ۲۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں - قال قتادة نزلت في اصحاب الصفة وكانوا سبع مائة رجل فقراء في مسجد رسول الله ﷺ، لا يرجعون الى تجارة ولا الى زرع ولا ضرع يصلون صلاة وينتظرون اخرى، فلما نزلت هذه الاية قال النبي ﷺ الحمد لله الذي جعل في امتي من امرت ان اصبر نفسي معهم يعني حضرت قتادة تابعی ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو سات سو کے قریب افراد تھے، نہ ہی تجارت کی طرف لوٹتے تھے، نہ ہی زراعت کی طرف اور نہ ہی مویشیوں کی طرف، ایک نماز پڑھ لیتے تو دوسری کا انتظار کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے پاس ٹھہرنے کا مجھے حکم ہوا (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۱۵۹)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقال الطبرانی: حدثنا اسماعيل بن الحسن حدثنا احمد بن صالح، حدثنا ابن وهب عن اسامة بن زيد عن ابي حازم عن عبد الرحمن بن سهل بن حنيف قال نزلت على رسول الله ﷺ وهو في بعض ابائته و اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه فخرج يلتمسهم فوجد قوما يذكرون الله تعالى منهم ثائر

الراس وجاف الجلد وذو الثوب الواحد فلما راهم جلس معهم وقال الحمد لله الذي جعل في امتي من امرني الله ان اصبر نفسي معهم یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس پر موجود تھے جب آیت واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغزاة والعشى يريدون وجهه نازل ہوئی تو آپ ﷺ ان لوگوں کی تلاش میں نکلے، آپ نے ایک قوم کو پایا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے، ان میں سے بعض کے بال بکھرے ہوئے تھے اور جلد خشک تھی اور صرف ایک ایک کپڑا لیا ہوا تھا، جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے پاس ٹھہرنے کا مجھے حکم دیا (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۵)۔

اہل تصوف نے اسی آیت سے اپنے لیے فقیر کا لفظ استعمال کرنا پسند فرمایا ہے اور ان کے آستان پر رہنے والے طالبوں کو بھی فقراء کہا جاتا ہے۔
اگر تصوف کا لفظ صفا سے بنا ہو تو اس کا معنی ہے صفائی۔ قرآن شریف میں اس کے مترادف لفظ تزکیہ استعمال ہوا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ قد افلح من تزکی یعنی فلاح پا گیا وہ شخص جس نے مجاہدہ کر کے پاکیزگی حاصل کی (الاعلیٰ: ۱۳)۔

نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی ذمہ داری یہ بتائی گئی ہے کہ : یتلو علیہم آیاتہ و یزکیہم یعنی رسول ان پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں صاف کرتا ہے (جمعہ: ۲)۔
پاکی اور صفائی سے مراد یہ ہے کہ روح کو تکبر اور حسد جیسی روحانی بیماریوں سے پاک کیا جائے۔ اس لحاظ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تصوف اخلاق سکھاتا ہے۔ نیز روح کو ریاکاری، اغراض اور طمع جیسے امراض سے پاک کیا جائے اور اس لحاظ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تصوف اخلاص سکھاتا ہے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کی ایسی معرفت حاصل کی جائے کہ اسے مظاہر سے جدا رکھ کر شناخت کر لیا جائے اور ظاہر و مظہر میں امتیاز کو سمجھ لیا جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محبوب کریم ﷺ کے وصال کے موقع پر صحابہ کرام علیہم الرضوان

کی پریشانی کو دور کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ من کان یعبد محمداً الی آخرہ چنانچہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کے وصال کے موقع پر صدیق اکبر ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: ”اے لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ اس جہان سے چلے گئے ہیں اور جو رب محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو یاد رکھو کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل یعنی محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص فانی چیز کے ساتھ دل لگاتا ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے اور دکھ اٹھاتا ہے اور جو شخص باقی کے ساتھ دل لگاتا ہے، وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا جسم فنا کیوں نہ ہو جائے۔ پس جس کسی نے محمد علیہ السلام کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپ ﷺ کے اس جہان سے پردہ پوش ہونے کے بعد اس کے دل میں آپ کی منزلت کے بارے میں حیرت پیدا ہو گئی۔ اور جس نے آنحضرت ﷺ کو چشم حقیقت سے دیکھا اس کے لیے آپ کا اس جہان سے پردہ پوش ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ کیونکہ جس شخص کو مقام بقاء باللہ حاصل ہے اس نے آپ کو باقی باللہ دیکھا اور جو مقام فناء فی اللہ پر ہے اس نے آنحضرت ﷺ کو فنا فی اللہ دیکھا۔ بہر صورت اس نے تبدیل ہونے والے کی بجائے تبدیل کرنے والے کو دیکھا۔ نہ اس نے کسی غیر سے دل لگایا نہ خلق پر نگاہ کی۔ کسی نے خوب کہا۔ من نظر الی الخلق ہلک و من نظر الی الحق ملک یعنی ”جس نے خلق پر نظر کی ہلاک ہوا اور جس نے حق پر نظر کی وہ فرشتوں کے رنگ میں رنگا گیا“ (کشف المحجوب صفحہ ۳۲)۔

اسی لیے فرماتے ہیں کہ

ان الصفا صفا الصدیق

ان اردت صوفیا علی التحقیق

یعنی اگر تم صحیح معنی میں کسی صوفی کو جاننا چاہتے ہو تو اصل صفا وہ ہے جو صدیق اکبر ﷺ کو

حاصل ہے۔

صفائی اور پاکیزگی کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنے قلب میں سے غیر کو باہر نکال دیا جائے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لكل شيء صقالة وصقالة القلب ذكر الله یعنی ہر چیز کو صاف کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے اور دل کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے۔

اس کی انتہا یہ ہے کہ جلال اور جمال دونوں صورتوں میں عاشق اپنے محبوب کی طرف ہی لپکتا ہے۔ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا اللھم انی اعوذ بک منک یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۲)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو مجھ پر اپنا جلال بھی فرمائے تو میں تجھ سے بھاگ کر کسی اور کی پناہ میں نہیں بلکہ تیری ہی پناہ میں آتا ہوں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ماں اپنے بچے کو مارے تو بچہ اسی ماں کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔

اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میرے اندر تیری الوہیت کا شائبہ بھی باقی رہے، میں خالص بندہ اور عبد محض بن کر رہنا پسند کرتا ہوں۔ صفائی کا یہ مرتبہ تمام مراتب سے بلند و بالا ہے۔ اسی لیے معراج کی رات جب اللہ کریم جل شانہ نے پوچھا کہ ہم اشرفک یا محمد یعنی اے محمد میں آپ کو کون سا شرف بخشوں۔ تو آپ ﷺ نے عرض کیا بنسبتی الیک بالعبودية یعنی اپنی طرف بندے کی حیثیت سے مجھے منسوب فرما اور مجھے اپنا بندہ کہہ کر پکار۔

فنائیت کی بے نیاز یوں کے بعد عبدیت کو اختیار کرنے میں کا ملین کو زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں تصوف کا مترادف لفظ احسان بھی استعمال ہوا ہے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ الاحسان ان تعبد الله کانک تراہ الحدیث یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷)۔

اللہ کو دیکھنے کا تصور محب کا فعل ہے، جب کہ اللہ کا اپنے بندے کو دیکھنا بندے کی محبوبیت ہے گویا بندہ اپنے رب کا محبوب ہے۔ الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی

الساجدين میں نبی کریم ﷺ کی محبوبیت بیان کی گئی ہے۔

اللہ کو دیکھنے میں استہلاک، سکر اور فنا ہے جب کہ اللہ اگر بندے کو دیکھے تو اس میں صحو

اور بقاء ہے۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اس میں جملہ اس طرح ہے فان لم تکن تراہ اگر تم ہی نہ رہے تو تم اسے دیکھ سکو گے (رسائل ابن عربی کتاب الفناء فی المشاہدہ صفحہ ۳۴)۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جلال الدین محلی کے حوالے سے فرماتے ہیں: حقیقۃ الاحسان مراقبۃ اللہ تعالیٰ فی جمیع العبادات یعنی احسان کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کیا جائے (الیواقیت والجوہر صفحہ ۵۰۷)۔

دین کے تین مختلف شعبے

دین اسلام کے تین مختلف شعبے ہیں۔

(۱)۔ سیاسی شعبہ:- اس کا تعلق عوام کی فلاح و بہبود، عدل و انصاف کی فراہمی، جہاد اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت سے ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: ان اللہ یرحمکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل یعنی اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو (النسائی: ۵۸)۔

صحیح بخاری میں کتاب الاحکام اور صحیح مسلم میں کتاب الامارۃ کا تعلق اسی موضوع سے ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت ڈنڈے سے اصلاح کرتی ہے۔ حکومت کی مثال ایسے ہے جیسے بادام کے اوپر کا سخت خول۔

(۲)۔ علماء کا شعبہ:- لوگوں کو دین کی تعلیم دینا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا ایسا شعبہ ہے جس پر دین کی چکی گھومتی ہے اور اس پر دین کی بقاء کا دار و مدار ہے۔

اللہ کریم فرماتا ہے: کنتم خیر امة اخرجت للناس تا مرون بالمعروف و تنہون

عن المنکر یعنی تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو (آل عمران: ۱۱۰)۔ یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ علماء زبان اور قلم کے ذریعے تبلیغ کرتے ہیں۔ اس شعبے کی مثال ایسے ہے جیسے بادام کا سرخ باریک چھلکا۔

(۳)۔ صوفیاء کا شعبہ:۔ اس کا تعلق اصلاحِ نفس اور دلوں میں اخلاص پیدا کرنے سے ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا و اذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلاماً یعنی رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل ان سے مخاطب ہوتا ہے تو سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں (الفرقان: ۶۳)۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاً یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور ہر چیز سے کٹ کر اسی کا ہو جا (المزمل: ۸)۔

صوفیاء کے لیے قرآن و سنت میں مندرجہ ذیل مترادف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اولیاء اللہ کا لفظ الان اولیاء اللہ میں۔ عباد الرحمن کا لفظ عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا میں۔ متقون کا لفظ ان اولیاء ہ الا المتقون میں۔ صادقین کا لفظ کونوا مع الصدقین میں۔ مرشد کا لفظ ومن یضلل فلن تجدلہ ولیا مرشدا اور هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا میں، منعم کا لفظ صراط الذین انعمت علیہم میں، محسنین کا لفظ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین میں، مخلص کا لفظ الاعدادک منهم المخلصین میں، صابریں کا لفظ ان اللہ مع الصابریں میں، عبد کا لفظ اضافت کے ساتھ فوجدا عبدان عبادنا میں۔

جس کی نیت میں حق کی جستجو موجود ہے اس کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ کتب حدیث میں بھی مندرجہ ذیل ابواب خالصتاً تصوف ہی سے متعلق ہیں۔

باب الحب فی اللہ، کتاب الرقاق، کتاب الاخلاق، باب زیارة القبور، ذکر اللہ والتقرب الیہ، باب فضل الفقراء، باب الصبر والتوکل، باب الریاء والسمعه، باب البکاء والخوف، باب الکرامات، باب المعجزات۔

یہ اولیاء و صوفیاء کی ذمہ داری ہے۔ صوفیاء کی غالب تبلیغ قلب، نگاہ اور توجہ کے ذریعے

ہوا کرتی ہے۔ تصوف کی مثال ایسے ہے جیسے بادام کا سفید مغز۔

انسان کی تخلیق کا مقصد

اللہ کریم کا ارشادِ عالی ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

حضرت جرتج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عبادت سے مراد معرفت ہے (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۰۵)۔ حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ الا ليعرفونی یعنی تاکہ میری معرفت حاصل کریں (قرطبی جلد ۱ صفحہ ۵۰)۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ: لیظهر علیہم صفاتی و کمالاتی فیعرفونی ثم یعبدونی فاذا العبادۃ بقدر المعرفة و من لم یعرف لم یعبد یعنی تاکہ ان پر میری صفات اور کمالات ظاہر ہوں اور یہ لوگ مجھے پہچان لیں اور پھر میری عبادت کریں۔ تو جس قدر معرفت ہوگی اسی قدر عبادت بھی ہوگی اور جسے معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ عبادت نہیں کر سکتا (تفسیر ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)۔

خازن وغیرہ میں ہے کہ هذا حسن لانه لو لم یخلقہم لم یعرف وجودہ و توحیدہ یعنی عبادت سے مراد معرفت لینا اچھی تفسیر ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں کو پیدا نہ فرماتا تو اس کی ذات اور توحید کی معرفت کسی کو حاصل نہ ہوتی (تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۱۸۵، قرطبی جلد ۱ صفحہ ۵۰)۔ صوفیاء علیہم الرضوان نے ایک حدیثِ قدسی بیان فرمائی ہے کہ کنت کنزاً مخفياً فاردت ان اعرف فخلق الخلق یعنی میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں لہذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

یہ حدیث سند اور صحت کے لحاظ سے جیسی بھی ہو لیکن قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور اس کی تفسیر عالمانہ و صوفیانہ دونوں کے مطابق ہے۔ لہذا اسے قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام کے وقت فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ انسان زمین میں فساد

کرے گا اور خون بہائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ دراصل فرشتے انسان کو خطا کرتا ہوا دیکھ رہے تھے مگر اللہ کریم اسے خطا کے بعد توبہ کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص اونٹ پر سفر کر رہا تھا اس پر اس کا کھانا اور پانی بھی تھا۔ راستے میں وہ ایک جگہ پر آرام کرنے کے لیے ٹھہرا تو اس کا اونٹ رسی نکال کر چلا گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اونٹ غائب تھا۔ وہ شخص جنگل بیابان میں اونٹ کی تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر بھاگا مگر اونٹ نہ ملا۔ آخر کار وہ موت کے لیے تیار ہو کر ایک جگہ لیٹ گیا۔ اچانک اسے دور سے اونٹ آتا ہوا نظر آیا۔ اس شخص کے منہ سے نکلا میں تیرا مالک، تو میرا بندہ۔ خوشی کی شدت سے الٹا جملہ منہ سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے بھی زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۵)۔ یہ چیز فرشتوں میں نہیں تھی۔ یہی انی اعلم مالا تعلمون کا راز ہے۔

قرآن کے نزول کا مقصد

اللہ کریم فرماتا ہے: هذا بلاغ للناس ولينذروا به وليعلموا انما هو اله واحد وليذكر اولوا الالباب یعنی یہ لوگوں کے لیے اطلاع ہے اور اس کے نازل کیے جانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جوابدہی سے ڈرایا جائے اور تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک اللہ ہی معبود ہے اور تاکہ قرآن سے عقل والے نصیحت حاصل کریں (ابراہیم: ۵۲)۔

اس آیت میں قرآن مجید کا موضوع توحید بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ سے پوچھا گیا کہ آیا قرآن کا کوئی عنوان ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پوچھا گیا کونسا؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ وسئل بعضهم هل لكتاب الله عنوان؟ فقال نعم، قيل اين هو؟ قال قوله تعالى هذا بلغ للناس الایة (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۳۳۰)۔

تمام رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام لا الہ الا اللہ کی تبلیغ فرماتے رہے وما ارسلنا من رسول الا نوحی الیہ انه لا الہ الا اللہ (الانبیاء: ۲۵)۔ اسی لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر کا درجہ دیا گیا ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶)۔ یہی توحید قرآن کا موضوع اور عنوان ہے اور اسی خدا کی

معرفت اور عبادت انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔

☆.....☆.....☆

تیسرا باب

نام نہاد صوفیاء کے فرقوں کا تعارف اور تفصیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآئِ

وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

صوفیاء علیہم الرضوان نے عقیدہ توحید کی صحت اور دیگر عقائد کی درستگی پر پورا زور دیا ہے اور بعض نام نہاد صوفیاء کے باطل عقائد پر زبردست تنقید فرمائی ہے۔ بعض کے لیے فرمایا کہ اللہ کی ان پر لعنت ہو، بعض کے لیے فرمایا کہ اللہ انہیں برباد کرے اور بعض کے لیے فرمایا کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔

اسی طریقے پر عمل کرتے ہوئے ہم بھی موجودہ زمانے کے بعض باطل طبقات کے باطل نظریات پر عنوان قائم کر کے ان کی تردید کرتے ہیں واللہ الموفق الوہاب۔

حضرت امام عبدالکریم ہوازن قشیری، حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری، حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی چشتی علیہم الرحمة والرضوان نے اپنی اپنی کتابوں میں باطل مذاہب و عقائد کی زبردست تردید فرمائی ہے اور انہیں ملحد، کافر اور بد بخت جیسے الفاظ سے نوازا ہے۔ اس کتاب میں ہم بھی اپنے ان آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے عصر حاضر کے غلط فرقوں کا تعارف کر رہے ہیں اور ان کی تردید کر رہے ہیں۔

۱۔ حلوی عقیدہ کی تردید:- یہ فرقہ پاک و ہند میں اچھی خاصی تعداد میں موجود ہے۔ یہ لوگ

قرآن و سنت سے بالکل لاتعلق ہوتے ہیں بلکہ علم کی سرے سے ہی مخالفت کرتے ہیں۔
 صوفیاء علیہم الرضوان نے اپنی ذات کی نفی فرمائی ہے اور دنیا کی ہر چیز کے حقیقی وجود کا انکار فرمایا ہے۔ صوفیاء کی مراد یہ ہے کہ حقیقی وجود محض اللہ کریم کی ذات کا ہے باقی سب اس کے ظلال اور پرتو ہیں۔ حلولی کہتے ہیں کہ بندہ ہی خدا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا حقیقی وجود تھا بھی نہیں، ہے بھی نہیں اور ہوگا بھی نہیں۔ یہ کہنا کہ میں اللہ ہوں، اور یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں اللہ ہے، ان دو جملوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ تصور (یعنی میں نہیں ہوں اللہ ہے) اگر صحیح معنی میں قائم ہو جائے تو ہر قسم کے دعویٰ غیر سنجیدہ حرکت اور لاف زنی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ تکبر قریب نہیں آئے گا اور زبان گنگ ہو جائے گی۔

یہ فرقہ اپنی خرافات کی تائید میں بعض صوفیاء کے شطیحات کو پیش کرتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کا سبحانی ما اعظم شانی کہنا اور حضرت حسین بن منصور حلاج قدس سرہ کی زبان سے انا الحق نکلنا کو اپنے موقف کی دلیل بناتے ہیں۔ حالانکہ حضرت بایزید بسطامی کے مریدوں نے جب انہیں عرض کیا کہ آپ نے رات کو اس طرح فرمایا تھا، تو آپ نے فرمایا: اگر میں ایسا کہوں تو مجھے تلوار سے مار دینا۔ لیکن جب آپ کو تلوار ماری گئی تو تلوار آپ کے جسم سے ہوا کی طرح پار ہو گئی۔ واضح ہو گیا کہ بایزید بسطامی نے خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی نفی فرمائی جس سے خدا کا اثبات ہوا۔ حلولی بھی اگر اسی تلوار سے مارے جانے کے لیے تیار ہو جائیں تو ہم ان کی صداقت تسلیم کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ تلوار ان کے جسم سے ہوا کی طرح گزر جائے۔

۲۔ تفصیلی رافضی عقیدہ کی تردید:- قرآنی آیت اولئک اعظم درجۃ یعنی تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ لڑی، ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس کے بعد خرچ کرنے والے اور جنگ لڑنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے (الحدید ۱۰: ۵۷)۔ اس آیت میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی افضلیت دو پہر کے سورج کی طرح عیاں ہے۔ اور وسیع جنبہا الاتقی (اللیل ۱۷: ۱)۔ اس آیت کے بارے میں تمام

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت میں آپ کو سب سے بڑا متقی کہا گیا ہے اور یہی افضلیت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں خود امامت کے مصلیٰ پر کھڑا فرمایا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۴)۔ کسی

اور

کی تجویز دی گئی تو فرمایا یا بای اللہ والمومنون الا ابابکر یعنی اللہ اور اس کے تمام فرشتوں نے ابوبکر کے سواء ہر کسی کی امامت کا انکار کر دیا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۳)۔ یہاں تک فرمایا کہ لا ینبغی لقوم فیہم ابو بکر ان یومہم غیرہ یعنی کسی قوم کو زیب نہیں دیتا کہ ابوبکر کی موجودگی میں کسی دوسرے کو امام بنائے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)۔ فرمایا ابوبکر اور عمر جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷، ابن ماجہ صفحہ ۱۱)۔ نیز فرمایا ابوبکر سے افضل شخص سورج نے نہیں دیکھا بعد نبیوں کے (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۴۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲۳، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۸، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)۔ تمام صوفیاء علیہم الرضوان کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اولیاء میں سب سے بلند روحانی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انکے بعد حضرت عمر فاروق، انکے بعد حضرت عثمان غنی اور انکے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ اس کا منکر رافضی ہے۔

دنیاۓ تصوف کی نہات بلند پایہ کتاب التعارف کے بارے میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ لولا التعارف لما عرف التصوف یعنی اگر التعارف نہ ہوتی تو تصوف پہچانا ہی نہ جاتا۔ اس بلند مرتبہ کتاب میں لکھا ہے کہ اجمع الصوفیۃ علی تقدیم ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم یعنی صوفیاء کا اس پر اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: شیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الانام یعنی اسلام کے پیر اور نبیوں کے بعد تمام انسانوں سے افضل (کشف المحجوب صفحہ ۶۷)۔ صدیق اکبر ﷺ مقدم جمیع خلائق است از پس انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین و

مروانہ باشد کہ کسی قدم اندر پیش وی نہد یعنی صدیق اکبر ﷺ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام مخلوقات سے آگے ہیں اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان سے آگے قدم رکھے (کشف المحجوب صفحہ ۶۹)۔

حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ: خلفاء راشدین نے خلافت بزور شمشیر یا جبر کے ذریعے حاصل نہیں کی تھی بلکہ معاصرین پر ان کو فضیلت حاصل تھی۔ خلفاء راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر افضل ہیں (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۸۲)۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: افضل الاولیاء المحمדיین بعد الانبیاء والمرسلین ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم اجمعین یعنی اس بات کا بیان کہ انبیاء اور مرسلین کے بعد اولیائے محمدی میں سے سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم (الیواقیت والجواہر صفحہ ۷۳)۔

چشتی سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت سید میر عبدالواحد بگلرامی قدس سرہ اپنی تصوف کی بلند پایہ تصنیف میں فرماتے ہیں کہ: اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت ابو بکر صدیق ﷺ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذوالنورین اور ان کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں (سبع سنابل صفحہ ۵۶)۔

خود سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ من فضلنی علی ابی بکر و عمر جلدتہ حد المفتری یعنی جو شخص مجھے ابو بکر اور عمر سے افضل کہے گا میں اسے مفتری کی حد کے طور پر اسی کوڑے ماروں گا (صواعق محرقة صفحہ ۶۰)۔

۳۔ دھمال اور رقص کی تردید:۔ غلبہ حال کی وجہ سے کسی صوفی کا پھڑکنا، گرجانا اور کپڑے پھاڑ ڈالنا کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ لیکن ایسے شخص کو ہوش نہیں رہتا اور وہ موزون حرکات یعنی ردھم قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسی کے بارے میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: صاحب الحال مغلوب یعنی صاحب حال مغلوب اور بے بس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص

ایک وزن پر پاؤں مارتا اور اوپر نیچے ہوتا ہے اور ڈھول کی تھاپ پر ردھم قائم رکھ سکتا ہے وہ دراصل ہوش میں ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہوتا بلکہ بناوٹ سے کام لے رہا ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: بدن کہ اندر شریعت و طریقت سر رقص را ہیچ اصلے نیست و ہیچ کس از مشائخ آن را نستودہ اند و اندر آن غلو نہ کردہ اند و ہر اثر کہ اہل حشواند سراں بیارند آن ہمہ باطل بود و محال باشد کہ افضل مردمان آن کنند یعنی جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے اور مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی اس کو پسند نہیں فرمایا اور اس میں غلو نہیں کیا، خرافاتی لوگ اس کے بارے میں جتنے آثار پیش کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور محال ہے کہ بزرگان دین ایسی حرکت کریں (کشف المحجوب صفحہ ۷۶)۔

وہ شخص حق کے راستے سے سخت دور ہے جو بے بس ہو کر پھڑکنے کو رقص سمجھ رہا ہے۔ سخت دور افتد آن کس از طریق صواب کہ آن سرا رقص خواند (کشف المحجوب صفحہ ۷۶)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنالیا ہے اور اسی کو اطاعت و عبادت سمجھ لیا ہے۔ اولئک الذین اتخذوا دینہم لہوا و لعبا (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنالیا ہے) اور روایت سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو اطاعت و عبادت سمجھنا کیسا برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا (مکتوبات امام ربانی جلد ۱، مکتوب نمبر ۲۶۶)۔

در مختار میں ہے کہ ومن يستحل الرقص قالوا بکفر یعنی جو رقص کو جائز کہے علماء نے اسے کافر کہا ہے (جلد ۲ صفحہ ۳۳)۔

اس پر شامی میں ہے کہ المراد به التمايل والخفض والرفع بحركات موزونة كما يفعله بعض من ينتسب الى التصوف وقد نقل في البرازية عن القرطبي اجماع الامة على حرمة هذا الغناء و ضرب القضيبي والرقص يعني اس سے مراد اوپر نیچے کی موزون حرکات کے ذریعے ٹیڑھا ہونا ہے جیسا کہ بعض صوفی سمجھے جانے والے لوگ کرتے ہیں، فتاویٰ بزاز یہ میں قرطبی کے حوالے سے اس غناء، دف اور رقص کے حرام ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے (جلد ۲ صفحہ ۷۳۳)۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: من هاب الاله وادرك شيئاً من تعظيمه لم يتصور منه رقص ولا تصفيق ولا يصدر ان الا من جاهل ويدل على جهالة فاعلهما لان الشريعة لم ترد بهما في كتاب ولا سنة ولم يفعل ذلك احد من الانبياء ولا معتبر من اتباعهم وانما يفعل ذلك الجهلة السفهاء الذين التبتست عليهم الحقائق بالاهواء وقد قال تعالى ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء ولقد مضت سلف وافاضل الخلف ولم يلبسوا شيئاً من ذلك فما ذلك الا غرض من اغراض النفس وليس بقربة الى الرب جل وعلی، وفاعله ان كان ممن يقتدى به، ويعتقد ان ما فعله الا لكونه قربة، فبئس ما صنع لا يهامه ان هذا من الطاعات وانما هو من اقبح رجونات۔

ترجمہ:- جس پر اللہ کا خوف طاری ہوا اور اس کی تعظیم کا ادراک ہوا، اس سے رقص اور تالی بجانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ دونوں فعل جاہل کے سواء کوئی نہیں کر سکتا، یہ کام اپنے فاعل کی جہالت پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ شریعت نے ان کی اجازت نہیں دی، نہ کتاب میں اور نہ سنت میں، یہ کام انبیاء میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کسی معتبر پیروکار نے کیا، صرف جاہل بے وقوف ہی ایسی حرکت کرتے ہیں جن پر نفسانی خواہشات کے غلبے کی وجہ سے حقیقت گڈ ہو چکی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے، بلاشبہ سلف صالحین اور ان کے بعد والے فاضل علماء گزر چکے ہیں جنہوں نے اس قسم کی کوئی تلبیس نہیں کی، یہ حرکتیں تو محض نفس کی اغراض ہیں نہ کہ رب تعالیٰ جل شانہ کا قرب،

اگر ایسی حرکتیں کرنے والا قائد سمجھا جاتا ہو اور وہ اسے عبادت سمجھ رہا ہو تو اس کا یہ کرتوت برا ہے، اسے اطاعت سمجھنا اس کا وہم ہے، جبکہ یہ درحقیقت ایک بدترین رعونت ہے (روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ ۶۵ زیر آیت من یشتری لہو الحدیث)۔

۴۔ ملامت کا جھوٹا بہانہ اور اس کی تردید:- آج کل کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خلاف شرع حرکات اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں برا سمجھیں۔ ہم پر ملامت کریں اور ہمارے درجات بلند ہوں۔ اپنے حق میں لایخافون لومة لائم آیت پڑھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو حق پر ہوتے ہیں اور لوگ ناحق ان پر تنقید کر کے گناہگار ہوتے ہیں اور جن پر بے جا تنقید ہو ان کے گناہ واقعی معاف ہوتے ہیں یا درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ کسی منزل میں پھنسے ہوئے ہوں تو اس ملامت کو برداشت کرنے کی برکت سے اس منزل سے نکل جاتے ہیں۔ لیکن اگر غلطی کسی کی اپنی ہو اور علماء اس کے شر سے لوگوں کو آگاہ کریں جیسے مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا تو اب اس پر تنقید کرنے والے حق پر ہوں گے اور اس سے اس کے درجات بلند نہیں ہوں گے۔

ملامت کروانے والے فلموں میں کام کرنا، نماز نہ پڑھنا، داڑھی منڈا دینا اور نفس کی خواہش کے مطابق ہر کام کرنا ہی کیوں پسند کرتے ہیں؟ شریعت پر عمل پیرا ہو کر بھی تو ملامت کروائی جاسکتی ہے۔ خصوصاً اس دور میں جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے لوگ اسے ریاکار کہنا شروع کر دیں گے، جو داڑھی رکھ لے لوگ اسے ملا، چھرا، مستیز وغیرہ خدا معلوم کن کن القاب سے نوازیں گے۔ شلوار ٹخنے سے اوپر کر لیں تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔

باعث ملامت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سب باتیں نفس کے لیے بھی مصیبت ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے وضو کرنا اور رات کو تہجد کے لیے اٹھنا نفس کو روند کر رکھ دیتا ہے۔

فقیر کے لیے نفس کی باریک شرارتوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی طرف سے نفس کو مار رہے ہوں اور نفس مرنے کی بجائے موٹا ہو رہا ہو۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لیے تکلف سے کام لے کر کوئی تدبیر

اختیار نہ کی جائے۔ صادق فقراء کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہوتا ہے اور وہ ذات خود بخود وقت آنے پر فقراء کو ایسے حالات سے دوچار کر دیتی ہے جس سے ان کی منزل آسان ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کا سلسلہ کا ملین کا سلسلہ ہو۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مجھے ولایت کے جھوٹے دعوے داروں کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو گئی۔ مگر اس نے یہ بہانہ بنایا کہ میرا یہ عمل ملامت کے لیے تھا۔ اس پر کسی نے کہا کہ یہ عذرو بہانہ بیہودہ ہے۔ میں نے اسے دیکھا کہ غیظ و غضب سے اس کا سانس پھول گیا۔ میں نے اس سے کہا اے شخص! اگر ملامت میں تیرا دعویٰ درست تھا تو اس آدمی کے اعتراض پر ناراض ہونے کا کیا مطلب؟ یہ تو تیری مرضی کی بات کر رہا ہے۔ جب وہ تیرے ساتھ تیری راہ میں موافقت کرتا ہے تو تیرا اس سے جھگڑا ہی کیا؟ تجھے کیوں غصہ آتا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۱۱۳)۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل درپیش آئی۔ میں نے اس مشکل سے خلاصی پانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس سے قبل بھی مجھ پر ایسی ہی مشکل پڑی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی تھی اور میری وہ مشکل آسان ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ بھی میں نے ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں۔ بالآخر تین ماہ تک مزار مبارک پر چلہ کشی کی تاک کہ میری یہ مشکل حل ہو جائے۔ ہر روز تین مرتبہ غسل اور تیس مرتبہ وضو کرتا اس امید پر کہ مشکل آسان ہو مگر پریشانی دور نہ ہوئی تو خراسان کے سفر کا ارادہ کیا۔

اس ملک میں ایک رات ایک گاؤں میں پہنچا، وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت رہائش پذیر تھی۔ میرے جسم پر کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی۔ مسافروں کی مانند میرے ساتھ کچھ زیادہ سامان نہ تھا، صرف ایک لاٹھی اور لوٹا تھا۔ اس جماعت نے مجھے حقارت کی نظر سے دیکھا اور کسی نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق باہم گفتگو کرتے اور کہتے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ درست بھی تھا کہ میں ان میں سے نہیں تھا۔ لیکن مجھے چونکہ وہاں رات گزارنی ضروری تھی، گنجائش نہ ہونے کے باوجود میں ٹھہر گیا اور انہوں نے مجھے درپچہ میں بٹھا دیا اور وہ لوگ اس سے اونچی چھت پر چلے گئے۔ میں زمین پر رہا۔ انہوں نے

میرے آگے ایک سوکھی اور پھپھوندی لگی ہوئی روٹی ڈال دی۔ میں ان کھانوں کی خوشبوؤں کو سونگھ رہا تھا جو وہ لوگ خود کھا رہے تھے۔ وہ لوگ مجھ پر برابر آوازیں کس رہے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزے کھانے لگے اور دل لگی سے ان کے چھلکے میرے سر پر پھینک کر میری تحقیر تو بہن کرتے رہے۔ اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ، اگر میں تیرے محبوبوں کا لباس پہننے والوں میں سے نہ ہوتا تو میں ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاتا۔ پھر جتنی بھی مجھ پر ان کی طعن و تشنیع زیادہ ہوتی رہی میرا دل مسرور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مشائخ کرام، جاہل لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں گوارہ کرتے ہیں اور کیوں ان کی سختیاں جھیلے ہیں؟ یہ ہیں کامل تحقیق کے ساتھ ملامت کے احکام۔ وباللہ التوفیق (کشف المحجوب صفحہ ۷۱)۔

۵۔ دورِ حاضر میں قلندر ی :- اصل قلندری یہ ہے کہ اپنے فقر کو چھپایا جائے، صرف فرائض واجبات اور سنن کی پابندی کی جائے۔ یہ لوگ نوافل اس لیے ترک کر دیتے تھے تاکہ لوگ ان کی مذمت کریں اور انہیں ولی نہ سمجھیں۔ ہر ولی دراصل اللہ کی طرف مجذوب ہوتا ہے۔ ان میں جو لوگ جذب کو غالب رکھتے ہیں اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں ان کے اس انداز کو قلندرانہ کہا جاتا ہے۔ جیسے شیخ شمس الدین تبریزی، مولانا روم، حضرت خواجہ محمد گیسو دراز، شیخ فخر الدین عراقی اور حافظ شیرازی علیہم الرحمہ۔ اولیاء اللہ میں سے جو لوگ سلوک کو غالب رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی راہ پر چلتے ہیں وہ سالک کہلاتے ہیں جیسے چاروں سلسلوں کے بانی حضور سیدنا غوث اعظم، حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجیری، حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہم الرحمہ۔

اگر کسی قلندر نے درست بات نہیں فرمائی تو صححوالے اور انبیاء کی راہ پر چلنے والے صوفیاء نے ان کی اصلاح کر دی ہے۔ جیسے حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کی بعض باتوں کی اصلاح شیخ محمد اکرم صابری قدس سرہ نے اپنی کتاب اقتباس الانوار میں فرمائی ہے اور ان کی یہ کتاب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان مروندی (شہباز قلندر) قدس سرہ العزیز اور حضرت بوعلی قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ دونوں اللہ کریم جل شانہ کے پیارے بزرگ ہیں۔ لیکن آج کے دور میں قلندری کے نام پر جو چیزیں پھیلائی جا رہی ہیں، صوفیائے کاملین اور خود حضرت لعل شہباز قلندر قدس سرہ ان باتوں سے بے زار ہیں۔

حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: جان لے کہ جب شیطان لعین دیکھتا ہے کہ اللہ کا طالب، اللہ کے قریب پہنچنے کو ہے اور وہ عنقریب مقام طریقت کو طے کر کے مقام حقیقت و معرفت میں پہنچ جائے گا، تو وہ دونوں مقامات کے درمیان تمام شیطاں کو جمع کر کے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، بہشت و دوزخ، حور و قصور اور استدراجی شیطاں کو موجود کر دیتا ہے۔ اور خود زینِ تخت پر بیٹھ کر فرعونی دعویٰ کرتا ہے اور خدا بن کر طالب سے کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ عبادت کی ہے، وہ ہماری درگاہ میں قبول ہے۔ اور پیشاب کا پیالہ بھر کر اسے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے پیو، یہ شرابِ طہور کا پیالہ ہے۔ اگر وہ اس پیشاب کو پی لیتا ہے، تو اس پیشاب کا پینا مقامِ نارِ شیطانی میں آتا ہے۔ اور شیطان اس سے کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ فرض، سنت، واجب و مستحب اور ظاہر میری عبادت کی، میں نے تیری ساری عبادت تجھے بخش دی۔ تجھے میرا دیدار بس کافی ہے، کیونکہ تو میرے نور سے ہے۔ اور میں تیرے نور سے ہوں۔ جو کچھ تیری زبان پر آئے، تو کہہ ڈال اور جو کچھ تیرے سامنے آئے، کھالے۔ قلندر اہل بدعت ہو جا۔ یہ ہے راز، جسے تو خوش آواز ساز کے ساتھ راگ سے سن۔ پس جو شخص کہ خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ استدراج ابلیس کو بے علمی اور جہالت کی وجہ سے معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ناقص لوگ بے باطنی کی وجہ سے اپنے طالبوں اور مریدوں کے سامنے حقیقتِ دیدارِ الہی بیان کرتے ہیں۔ اور استدراج کو معراج کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں ظاہراً بندگی کی حاجت نہیں رہی۔ (اس طرح سے) وہ طالبوں اور مریدوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور وہ گمراہ اپنے پیشوا کے ساتھ ملعون اکبر اہل سلب کے مقام میں آ جاتے ہیں (مجالسۃ النبی صفحہ ۱۶۱ از حضرت سلطان باہور قدس سرہ العزیز)۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب عواف

المعارف میں ”نام کے صوفی“ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ: کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو خود کو کبھی قلندر یہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کبھی ملامتیہ کے نام سے..... قلندر یہ سے ایک ایسے گروہ کی طرف اشارہ ہے جن کے دلوں پر خوش دلی کے نشہ نے قبضہ کر لیا ہے، یہاں تک کہ ان کی عادتیں بگڑ گئی ہیں، اس خوش دلی کے نشہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا ہے، آداب مجلس سے بے گانہ بن گئے لوگوں سے ملنے جلنے کے اطوار و آداب کی ان کو پرواہ نہیں، ہمہ وقت ترنگ میں رہتے ہیں، خوش دلی کے میدان میں پھرنے کی بدولت نماز روزہ سے غافل ہوتے ہیں (عوارف المعارف صفحہ ۲۲۵ از حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ)۔

واضح رہے کہ یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ وہ بزرگ ہیں جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کے مرشد ہیں اور حضرت زکریا ملتانی وہ بزرگ ہیں جو حضرت عثمان مروندی المعروف بہ شہباز قلندر قدس سرہ کے مرشد ہیں۔ اب آپ کو یقین ہو گیا ہوگا کہ قلندری کے نام پر جو باتیں لعل شہباز قلندر قدس سرہ کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں ان اللہ کے پیاروں کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تنقید سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قلندری طریقہ ان سے پہلے موجود تھا اور حضرت شہباز قلندر قدس سرہ اس کے بانی نہیں ہیں۔

قلندری کی طرف منسوب ہونے کے باوجود حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے اپنے مریدوں کو جو وصیت فرمائی وہ ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل قلندری کیا تھی اور آج کل کی نقل کیا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی وصیت

مولانا نے آخری وقت میں اپنے مریدوں کو یہ وصیت فرمائی:

اوصیکم بتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ وبقلۃ الطعام وقلة المنام وقلة الکلام

وہجران المعاصی والاثام ومواظبۃ الصیام ودوام القیام وترک الشهوات علی

الدوام واحتمال الجفاء من جمیع الانام وترک مجالسۃ السفہاء والعوام ومصاحبة

الصالحين والكرام وان خير الناس من ينفع الناس وخير الكلام ما قل ودل والحمد لله وحده یعنی میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تم چھپ کر بیٹھو یا سر عام۔ تھوڑا کھاؤ، کم سویا کرو اور کم بولا کرو، گناہوں اور معاصی کو ترک کر دو، ہمیشہ روزہ رکھا کرو، ہمیشہ رات کو تہجد پڑھا کرو، ہمیشہ کے لیے خواہشات کو ترک کر دو، تمام لوگوں کا ظلم برداشت کرتے رہو، بے وقوفوں اور عام لوگوں کی ہم نشینی چھوڑ دو، صالحین اور بزرگ لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اور لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور مدلل ہو، الحمد للہ وحده (فتحات الانس صفحہ ۶۵۶)۔

۶۔ ماہر عملیات :- عامل اور کامل میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عامل ایک وظیفہ پڑھ پڑھ کر اس کا مؤکل یا کوئی جن اپنے قبضے میں کر کے اس کے ذریعے جائز ناجائز کام کرواتا رہتا ہے۔ بعض عاملین انہی کے ذریعے پوشیدہ معلومات حاصل کر کے عوام میں شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ منہ مانگے پیسے لے کر لوگوں کے کام کرتے ہیں اور ان کی دوکانوں پر طرح طرح کے بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ عوام الناس انہیں بزرگ، پیر اور ولی سمجھتے ہیں۔ یہ ایسا دھندا ہے جو رافضی، خارجی، ہندو، عیسائی سب لوگ کر رہے ہیں اور ان کی دوکانداری خوب چمک رہی ہے۔

ان کے برعکس کالمین کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وظیفہ اللہ کی رضا کی خاطر پڑھتے ہیں اگر انکے پاس مؤکل آ بھی جائے تو اسے آزاد کر دیتے ہیں اور دنیا حاصل کرنے پر لعنت بھیجتے ہیں۔

مبلغین تصوف کی خدمت میں

(۱)۔ بعض لوگ اپنے مریدوں کو تصوف کا مبلغ بنا کر میدان میں اتار دیتے ہیں جو ابھی تک خود کسی کنارے نہیں لگے ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے مرشد کے بارے میں ایسی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں کہ اگر ان کے مرشد نے اس کی اجازت دی ہے تو حیرت ہے ایسے مرشد پر۔

ایسے خدا کے بندوں کو اگر دست بستہ ایسی باتوں سے منع کیا جائے تو منع کرنے والے کو ملاں کہہ دیں گے اور کہیں گے کہ یہ روحانیت کی باتیں ہیں جنہیں تم نہیں سمجھتے۔ سوچنا چاہیے کہ

اگر یہ روحانیت کی باتیں ہیں تو آپ انہیں زبان پر یا کتاب کے صفحے پر کیوں لے آئے؟ اور کیونکر طریقت کے اصولوں کو پامال کیا؟

کامل صوفیاء کا طریقہ یہ رہا ہے کہ دین کی تبلیغ کو اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک انہیں روحانی طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس کا حکم نہیں ملا۔ حتیٰ کہ مرید اپنے مرشد کے حکم پر بھی تبلیغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ہم حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا سچا واقعہ باحوالہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ مرشد کی حیات میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید سے عرض کیا ہمیں ایسی نصیحت فرمایا کیجیے جس سے ہمارے دلوں کو چین و قرار آئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے شیخ اپنے مقام پر جلوہ افروز ہیں میں کوئی تلقین نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوا حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اے جنید لوگوں کو وعظ و نصیحت کیوں نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک جہان کو نجات عطا فرمائے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ یہ خیال فرما رہے تھے کہ میرا درجہ، میرے شیخ کے درجہ میں پیوست ہو گیا ہے اور مجھے نبی کریم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا امر فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنید نماز فجر کا سلام پھیریں تو ان سے کہنا تم نے مریدوں کے کہنے سے تعلیم و تبلیغ نہ کی اور نہ مشائخ بغداد کی سفارش قبول کی۔ سب کی درخواستوں کو رد کرتے رہے۔ میرا پیغام پہنچا تب بھی تبلیغ شروع نہیں کی۔ اب تو نبی کریم ﷺ کا حکم بھی ہو چکا ہے۔ اب تو حکم بجالاؤ۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے جانا کہ میرا شیخ میرے دل سے بخوبی واقف ہے اور وہ میری ظاہری و باطنی ہر حالت سے باخبر ہیں۔ ان کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے کیونکہ وہ تو میرے اسرار سے واقف ہیں اور میں تو ان کے احوال سے بے خبر ہوں۔ اسکے بعد میں اپنے شیخ کے دربار میں حاضر ہوا اور توبہ و استغفار کیا (کشف المحجوب صفحہ ۱۳۶)۔

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام نے بھی اس کام کو اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک انہیں آسمان سے اس کا حکم نہیں ملا ما اطاقتہ الانبیاء حتی عقدت علیہ من السماء (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۳)۔

اس طرح کے کچے مبلغ دعوے بہت کرتے ہیں، غیر سنجیدہ ہوتے ہیں، شریعت کا مذاق

اڑاتے ہیں، آستانوں کے بند کمروں میں بیٹھ کر کی جانے والی گفتگو کو سر عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ایسی گفتگو ہوتی ہے جسے انکے اپنے ہی سنجیدہ اور پرانے پیر بھائی آستانے پر بھی پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگ حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کی مثال بہت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی فتوؤں سے نہیں ڈرتے۔ اللہ ان لوگوں پر رحم کرے۔ اول تو یہ لوگ حسین بن منصور کے مقام و مرتبہ بلکہ ان کی کیفیت میں عملی طور پر موجود نہیں ہوتے بلکہ محض سن سنا کر کیفیات کا لحاف اوڑھ رکھا ہوتا ہے۔ ثانیاً بالفرض اس میں صداقت موجود بھی ہو تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حسین بن منصور علیہ الرحمہ کا دعویٰ کاملین کے ہاں پسند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ اپنے غلبہ حال میں جب حضرت عمرو بن عثمان سے جدا ہو کر حضرت جنید کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لیے کہ آپ کی صحبت میں رہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے مجنونوں کی صحبت درکار نہیں ہے کیونکہ صحبت کے لیے صحت چاہیے۔ جب تم آفت کی موجودگی میں میرے قریب رہو گے تو ایسا ہی ہوگا جیسے تم نے حضرت عبداللہ تستری اور عمرو کے ساتھ رہ کر کیا اور پھر جدا ہو کر چلے آئے (کشف المحجوب صفحہ ۱۹۸)۔

نیز داتا صاحب علیہ الرحمہ اپنی کتاب کشف الاسرار میں ابن حلاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے اللہ کا راز گلی میں پھینک دیا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی۔

واضح ہو گیا کہ صوفیاء کے وہ شطیحات جو ان کی زبان یا قلم سے کسی خاص حال یا کیفیت میں سرزد ہوتے ہیں، وہ طریقت کا قاعدہ نہیں بن سکتے۔ ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے ختم نبوت کا انکار لازم آئے اور قادیانیت کو موقع ملے۔

(۲)۔ آج کل تصوف کے یہ مبلغین نہایت غالی ہوتے ہیں۔ جاہل ہونے کے باوجود علماء پر گرفت کرتے ہیں۔ اور اس بات نے اہل سنت کو نہایت خطرناک صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے۔ یہ لوگ ادب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خود بے ادب ہوتے ہیں، یہ لوگ صوفیانہ باتوں کو عوام کی سمجھ سے بالاتر مانتے ہیں مگر خود اپنی زبان سے ہی ایسی باتیں بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ ”خطائے بزرگاں گرفتن خطا است“، مگر خود بزرگوں پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ لوگ مولویوں کو

فتوے باز کہتے ہیں مگر خود سب سے زیادہ فتویٰ بازی کرتے ہیں، جو ان کے اپنے اصول کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ جہالت اور بے ادبی پر بھی مبنی ہوتی ہے۔ یہ لوگ صفا کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ بعض لوگ ملامتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب کوئی ملامت کرے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اس وقت سنی علماء و صوفیاء ایسے ہی جاہل مبلغین اور نام نہاد عاشقوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جنہیں تبلیغ کی اجازت ہی نہیں۔ یہ لوگ علماء سے سمجھنے کی بجائے انہیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ”جہالت جمع شرارت“ کی کامل تصویر ہیں۔

(۳)۔ ان مبلغین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تصوف کی کچھ اصطلاحات یاد کر کے تصوف پر بہترین لیکچر دے لیتے ہیں مگر تصوف کے عملی قواعد و صوابات سے واقف نہیں ہوتے۔ عوامی نفسیات کا یہ حال ہے کہ جو شخص تصوف پر اچھی تقریر کرے یا اپنی تقریر کے دوران رونا شروع کر دے، یہ بے چارے اسے زمانے کا ولی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حرف درویشاں بدزد و مردودوں

تا بخواند بر سلیسے ز افسوں

ترجمہ:- کمینہ آدمی درویشوں کے الفاظ اور اصطلاحات چوری کر لیتا ہے تاکہ بھولے اور سلیم الطبع لوگوں پر اپنا منتر چلا سکے۔

ہم نے یہ باتیں اس لیے تحریر کر دی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہو سکے۔ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک صوفیاء ایک دوسرے کو ان کے عیوب پر تنبیہ کرتے رہیں گے تو ٹھیک رہیں گے، مگر جیسے ہی انہوں نے آپس میں صلح کر لی اور تنبیہ چھوڑ دی تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی (رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۱۳)۔

طریقت کے طالب کے لیے یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ دنیا میں قیامت تک حق اور باطل کی کشمکش کو جاری رہنا ہے۔ اگر باطل سرے سے ہی مٹ جائے تو قیامت آ جائے۔ کسی صاحب نظر کا قول ہے کہ لولا الحمقاء لذهب الدنيا اگر احمق ختم ہو جائیں تو دنیا ہی ختم ہو

جائے۔ دراصل ہر قسم کے لوگوں کے وجود سے ہی دنیا کی رنگینی قائم ہے۔ یہ اس بے نیاز کی تقدیر کے فیصلے ہیں کہ اس نے کچھ لوگوں کے لیے جنت بنائی ہے اور کچھ کے لیے جہنم۔ لہذا صاحب طریقت کو چاہیے کہ کلمہ حق بولنا نہ چھوڑے اور امر و نہی کا فریضہ ترک نہ کرے، لیکن لوگوں میں گمراہی دیکھ کر ضرورت سے زیادہ بے چین اور رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ سے فرمایا: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ یعنی اے محبوب کیا آپ اپنی جان سے گزر جائیں گے اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لارہے؟ (الشعراء: ۳)۔



چوتھا باب

تصوف پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کی تردید

(سبیل السلام لمن انکر التصوف فی الاسلام)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمَنَّا بَعْدُ

سوال نمبر 1۔ تصوف کے نام اور اصطلاح کا قرآن و حدیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ دوسری صدی میں پہلی بار تصوف کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

جواب:- الحمد للہ آپ نے تصوف کی اصطلاح کم از کم تیرہ سو سال پرانی تسلیم کر لی۔

میرے محترم! تصوف اپنی حقیقت کے لحاظ سے اس آیت قرآنی میں اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب انہیں جاہل مخاطب ہوتے ہیں تو انہیں سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں (الفرقان: ۶۳)۔

ثانیاً تصوف ترجمہ ہے تزکیہ کا۔ اور تزکیہ کا لفظ بھی قرآن میں بار بار استعمال ہوا ہے۔
 ثالثاً اگر آپ عین ”تصوف“ ہی کی اصطلاح کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تو اس کا مادہ
 صوف ہے اور صوفیاء کا ایک معروف قول یہ ہے کہ تصوف کا لفظ صفہ سے لیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ
 کے وہ کثیر التعداد صحابہ جو صفہ کے چوتھے پررہ کر حضور سے روحانی تربیت حاصل کرتے تھے۔
 ان کے طریقہ سے تعلق کی بنا پر تصوف کو موسوم کیا گیا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۳۱)۔

سوال نمبر 2۔ جب مسلم حکمرانوں اور خلفاء کی رسہ کشیاں اور اقتدار کے لیے جنگ و جدال عروج
 پر پہنچا تو ردِ عمل میں مسلمانوں میں ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے سیاست اور اقتدار سے لاتعلقی کا رویہ
 اپنانا شروع کیا۔ گویا تصوف جین مت، بدھ مت، جمہوریت اور کمیونزم کی طرح ردِ عمل کا نتیجہ ہے۔
 جواب:- آپ نے مسلمان خلفاء کی جنگوں کی تفصیل نہیں بتائی اور نہ ہی الگ رہنے والے
 لوگوں کا نام بتایا ہے۔ ہم عرض کیے دیتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جنگِ جمل
 ہوئی تو بے شمار صحابہ کرام غیر جانبدار رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے صوفی کا نام تو آپ نے سنا
 ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت فتنوں کا آئے گا جس میں بیٹھا آدمی
 کھڑے سے بہتر ہوگا، کھڑا آدمی چلتے سے بہتر ہوگا، چلتا آدمی دوڑتے سے بہتر ہوگا۔ جو اس فتنے
 میں پھنس گیا، یہ فتنہ اسے پھنسا دے گا۔ لہذا جو شخص اس سے بچ سکتا ہو بچ جائے۔ یہ حدیث
 بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ ان دو کتابوں پر آپ بھی بڑا اعتماد ظاہر کرتے ہیں اور یہ حدیث تو
 ہے بھی ان کی متفق علیہ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۸، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۹)۔

مزید سنئے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی کا نام حضرت ابو موسیٰ اشعری
 ہی رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے یہی حدیث پڑھی اور فرمایا کہ میں نہ علی کا ساتھ دوں گا اور نہ عائشہ کا (البدایہ
 والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸)۔

اُس وقت لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ بصرہ میں، دوسرا کوفہ میں
 تیسرا شام میں اور چوتھا غیر جانبدار۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے غیر جانبدار گروہ کو سب سے بہتر

قرار دیا (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸)۔

مزید سماعت فرمائیے۔ حضرت اخف بن قیس ؓ اپنے گھر سے حضرت علی ؓ کی امداد کرنے کے لیے نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکر ؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا واپس چلے جاؤ۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں جنگ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ حدیث سن کر وہ واپس چلے گئے۔ یہ حدیث بھی بخاری اور مسلم میں موجود ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۹)۔ اب فرمائیے خلفاء کی رسہ کشی میں لاطبقہ رہنے والا طبقہ کون تھا؟ وہ جین مت، بدھ مت، جمہوریت اور کمیونزم کے پیرو کار تھے یا صحابہ کرام؟ اور بخاری و مسلم میں یہ احادیث امر کی تعلیمات ہیں یا نبی کریم ﷺ کے ارشادات؟

سوال نمبر 3۔ لاطبقہ گوشہ نشینی میں بدل گئی۔

جواب:- گوشہ نشینی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا صوفیاء گوشہ نشین ہوتے ہیں یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ آپ نے گوشہ نشینی کو جس طرح جنم لیتے ہوئے دکھایا ہے یہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ گوشہ نشینی کی بنیاد قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں **وَإِذْ وَاعِدْنَا مُوسَىٰ** **أَرْبَعِينَ لَيْلَةً** گوشہ نشینی کی اصل موجود ہے۔ مکہ کی پہاڑی پر غار حراء کا وجود آج بھی گوشہ نشینی کا زندہ گواہ ہے اور بخاری اور مسلم کی احادیث اس پر شاہد ہیں۔ ایک اور حدیث شریف کے صاف الفاظ ہیں: **سَيَرُوا هَذَا جُمُودًا قَدْ سَبَقَ الْمَفْزُؤُ النَّحْدِثُ** یعنی اس جمدان پہاڑ کی سیر کرو، تنہائی میں چلے جانے والے لوگ آگے نکل گئے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ تنہا لوگ کون سے ہیں۔ فرمایا اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)۔

اب ہم ایک نہایت دلچسپ حدیث شریف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اگر دل میں ایمان موجود ہے تو دل کے کانوں سے سنو۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ جیسے معروف ترین تیر انداز صحابی دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں اونٹ چرانے لگ گئے۔ آپ کے بیٹے

عمر آپ کے پاس جنگل میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت سعد نے اپنے بیٹے کو دور سے آتے دیکھا تو فرمایا، اے اللہ مجھے اس اونٹ پر سوار ہو کر آنے والے سے بچانا۔ وہ پاس آ کر اونٹ سے اترے اور کہا: تم ادھر اپنے اونٹوں اور بکریوں میں مصروف ہو اور لوگوں کو ملک کے تنازع جات میں چھوڑ دیا ہے؟ حضرت سعد نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا چپ ہو جا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو متقی ہو، غنی ہو اور چھپ کر زندگی گزارتا ہو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۸)۔

اس سے قبل ہم غیر جانبداری کے حق میں دو صحیح ترین حدیثیں نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ لاطعلقی گوشہ نشینی میں نہیں بدلی بلکہ گوشہ نشینی کی اصل قرآن و سنت کی تصریحات میں پہلے سے موجود ہے۔

واضح رہے کہ قرآن و سنت کے اکثر دلائل کی رو سے نفس کی اصلاح کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک عارضی اور وقتی چیز ہے۔ جبکہ بعض واضح دلائل سے مستقل طور پر تارک الدنیا ہو جانا بھی بعض بزرگوں کے حق میں ثابت ہے۔ جیسے حضرت خواجہ اویس قرنی۔ انہیں حضرت عمر فاروق ؓ نے کوفہ کے گورنر کے نام سفارشی خط لکھ کر دینے کی پیش کش فرمائی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے اس خط کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے زمین کی خاک پر بیٹھنا اور لوگوں سے پوشیدہ رہنا زیادہ پسند ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)۔ اس سے پہلے آپ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو متقی ہو، غنی ہو اور چھپ کر زندگی گزارتا ہو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۸)۔

سوال نمبر 4۔ دوسرے مذاہب میں تارک الدنیا لوگ پہلے ہی موجود تھے۔ ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت سے متاثر ہو کر اسلام میں بھی بے شمار مشرکانہ خرافات کو داخل کر دیا گیا۔

جواب:- جس سیڑھی کے ذریعے آپ اس سوال تک پہنچے ہیں ہم نے پچھلی سطور میں اس سیڑھی کے پر نچے اڑا دیے ہیں۔ لہذا یہ سوال بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ یعنی ایسا فساد جس کی بنیاد بھی فساد ہو۔

ثانیاً آپ کے اس سوال میں ہی اس سوال کا جواب موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرما رہے ہیں کہ ”دوسرے مذاہب میں تارک الدنیا لوگ پہلے ہی موجود تھے۔“

گویا ان مذاہب میں کچھ لوگ تارک الدنیا تھے اور کچھ لوگ تارک الدنیا نہیں تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ان مذاہب کے تارک الدنیا لوگوں سے مشابہت سے انسان صوفی بن جاتا ہے تو انہی مذاہب میں جو لوگ تارک الدنیا نہیں ہیں ان سے مشابہت کی وجہ سے انسان منکرین تصوف کیوں نہیں بن جاتا؟ اور منکرین تصوف کی ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت سے مشابہت لازم کیوں نہیں آتی؟

سوال نمبر 5۔ صوفی ازم کا مرکز ایشیاء اور افریقہ رہا ہے۔ گویا یہ عرب کی پیداوار ہی نہیں۔
جواب:- اولاً آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عرب شریف کون سے براعظم میں واقع ہے۔ یا پھر آپ بلا خوف تردید سب کچھ فرمائے جا رہے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ عرب شریف بھی ایشیاء ہی کا ملک ہے۔ پھر تصوف عرب کی پیداوار کیسے نہیں؟

اگر تصوف کا مرکز ایشیاء اور افریقہ رہے ہیں تو پھر کیا ہوا؟ آپ کا کیا خیال ہے تصوف کا مرکز ایشیاء اور افریقہ کے علاوہ کون کون سے براعظم ہونے چاہئیں؟ ان دونوں براعظموں کے علاوہ تین براعظم یہ ہیں۔

آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ۔ فرمائیے کیا تصوف کا مرکز ان خبیث براعظموں کو ہونا چاہیے تھا؟

یہی اعتراض مسٹر غلام احمد پرویز نے صحاح ستہ کے مصنفین پر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تمام محدثین عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی بخارا کا رہنے والا ہے، کوئی اصفہان کا۔ کوئی ترمذ کا رہنے والا ہے اور کوئی جستان کا۔ پرویز کا یہ اعتراض سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ تصوف کے قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے باوجود اسے عجم کی پیداوار قرار دینے والے خود جب پرویز کے سامنے پھنستے ہیں تو اس سے کس طرح جان چھڑاتے ہیں۔

سوال نمبر 6۔ کمیونسٹوں نے تصوف کی وجہ سے ہی مذہب کو افیون کا نام دیا تھا۔ اسی نے اسلام

کو ترقی نہیں کرنے دی اور اسے لوگوں کے دنیاوی مسائل سے کوئی غرض نہیں۔ اسی کی وجہ سے سیکولر لوگ اسلام سمیت ہر مذہب سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سارا قصور تصوف کا ہے۔

جواب:- مضمون نویس نے غیر سنجیدگی اور عدم تحقیق کی انتہا کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونسٹوں نے دنیا کے ہر مذہب کو مطلقاً فیون کہا تھا نہ کہ صرف تصوف کو۔

ثانیاً لوگوں کے دنیاوی مسائل سے غرض رکھتے وقت یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ دنیا کو مخالفین تصوف کی طرح ترجیح دینا سراسر باطل ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : **اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ زِينَةٌ وَ تَفَاخُرُ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ فَتَرَاهُ مُضْفَرًا ثُمَّ يَكُونُ خُطَامًا وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ رِضْوَانٌ وَ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ** یعنی یقین کر لو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے اور عارضی زینت اور آپس کی مقابلہ بازی ہے اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں آگے نکلنے کی کوشش ہے۔ اسکی مثال اس بارش کی طرح ہے جسکی پیداوار کسانوں کو پسند آتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو اے دیکھنے والے پھر تو اسے دیکھتا ہے کہ وہ زرد ہو گئی پھر اسکے بعد وہ چورہ چورہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں نافرمانوں کے لیے سخت عذاب ہے اور فرماں برداروں کے لیے اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے (الحمدید: ۲۰)۔

حبیب کریم ﷺ نے فرمایا **إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ وَ مَلْعُونٌ مَّا فِيهَا إِلَّا ذَكَرَ اللَّهُ وَ مَا الْآلَهُ وَ عَالِمٌ أَوْ مَتَّعَلِمٌ زَوَاهِ التِّرْمِذِيِّ وَ ابْنُ مَاجَةَ** یعنی دنیا پر لعنت ہے اور جو کچھ اس میں ہے اس سارے پر لعنت ہے سواء اللہ کے ذکر کے اور اس کے متعلقات کے اور عالم یا شاگرد کے (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۱)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر دنیا کی وقعت مکھی کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کوئی کافر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پی سکتا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۱)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دنیا کی وقعت اللہ کے ہاں ایک مردار جانور سے بھی کم ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۷)۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کام کاج کی کثرت سے اور چکی پیس پیس کر مجھے تھکن ہو جاتی ہے۔ مجھے ایک نوکر یا خادمہ عنایت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے غیر مقلدین کے مذہب پر عمل نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دیتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ مگر نوکر فراہم نہیں فرمایا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)۔

اب ان دلائل کو پڑھ لینے کے بعد ایک مشہور صوفی رحمت اللہ علیہ کے اس مصرعے کو ذرا غلط ثابت کر کے دکھانا:

ادھی لعنت دنیا تائیں تے ساری دنیا داراں ہو

ثالثاً شرعی ضرورت اور اتباع سنت کی حد تک صوفیاء علیہم الرضوان نے ہمیشہ دوسرے لوگوں سے بڑھ کر دنیا میں حصہ لیا ہے اور سیاست اور دینی تعلیمات میں پیش پیش رہے ہیں۔ چنانچہ صوفیاء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عوام کے مسائل حل کرانے کی خالص نیت کے ساتھ حکمرانوں سے تعلقات رکھنا بھی جائز ہے۔

رابعاً صوفیاء ہر وقت لوگوں کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں۔ ذرا کسی آستانے پر تشریف لے جائیے اور روزانہ ہزاروں افراد کی آمد و رفت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیے فَمِنْهُمْ ذُو حَاجَةٍ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ کا منظر یاد آ جائے گا۔ چند مجذوب یا غیر ذمہ دار قسم کے نام نہاد صوفیاء کی باتوں کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اس قسم کے بے شمار افراد ان ظاہری علماء میں بھی ہم دکھا سکتے ہیں جنہوں نے لوگوں کے دنیاوی مسائل حل کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ محض اندر بیٹھ کر شروح اور تفاسیر لکھتے رہے اور بعض نے تو اتنا بھی نہیں کیا۔ اور بعض صرف درباری ملا بن کر زندگی گزار گئے۔

صوفیاء کرام علیہم الرضوان نے ہر زمانے میں افیون کا نشہ کرنے کی بجائے دین کی خدمت کی ہے اور ان کی خدمات کو کوئی دوسرا مائی کالال نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو خدا اور رسول کی اس طرح اطاعت کرے کہ ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے ہاتھ میں حدیث (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۱۲)۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علم کلام پر تحقیقات اور دیگر موضوعات پر تصانیف اہل علم سے مخفی نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں شریعت پر سخت زور دیا ہے، کم ظرف اور غیر ذمہ دار لوگوں کی سخت تردید کی ہے اور اپنی کتاب کا آغاز علم کے باب سے کیا ہے۔ اس کتاب میں اکثر روایات بخاری شریف سے لی گئی ہیں۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں شرعی علوم کے دریا بہا دیے ہیں۔ بد مذہب لوگوں اور باطل فرقوں کا نام لے لے کر اور سرخیاں قائم کر کر کے رد فرمایا ہے۔ نیز آپ کا بادشاہ وقت کو سرزنش فرمانا آپ کی سوانح حیات کی کتب میں صراحتاً مذکور ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ نے نوے لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھایا۔ اگر ان کے نزدیک کفر اور اسلام میں کوئی فرق نہیں تھا تو پھر کسی کو مسلمان کرنے اور کلمہ پڑھانے کا کیا مطلب؟

ہلاکو خان کے مقابلے پر مسلمانوں کے کام آ کر انقلاب برپا کر دینے والا شخص ایک صوفی ہی تھا نہ کہ کوئی غیر مقلد۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر بادشاہ سے ٹکر لی اور اس کے گھڑے ہوئے دین الہی کی سرعام مخالفت کی۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے آپ ہی کے بارے میں لکھا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے گرمی احرار

آپ نے روافض کے رد میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی جس کا نام ردالروافض ہے۔

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف سبع سنابل میں بار بار عقیدہ اہل سنت کی حقانیت پر زور دیتے ہیں بلکہ پہلا باب ہی عقیدوں اور مذہبوں کے موضوع پر مرتب فرمایا ہے اور اہل بدعت روافض اور تفضیلیوں کی تباہی کر کے رکھ دی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں۔ آپ

نے تصوف کے موضوع پر انفاس العارفین، شفاء العلیل اور الانتباه فی سلاسل الاولیاء جیسی عظیم المرتبت کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ صوفی ہونے کے باوجود آپ نے برصغیر کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ احمد شاہ ابدالی کو افغانستان میں خط لکھا کہ ہندوستان پر حملہ کر دو۔

پیر پگارا حضرت صبغتہ اللہ شاہ صاحب راشدی قدس سرہ نے انگریز کے خلاف حر مجاہدین کھڑے کر دیے اور بالآخر انگریز ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گلوڑوی رحمت اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کا مقابلہ کیا۔ اس کے مناظرے کے چیلنج کو قبول فرمایا اور قادیانیوں کے خلاف ٹمس الہدایہ اور سیف چشتیائی جیسی بے مثال کتابیں لکھیں۔ خوارج و روافض کی کھل کر تردید فرمائی بلکہ ان موضوعات پر مستقل کتابیں لکھیں۔

پاکستان بنانے میں حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب، حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری، پیر صاحب مانگی شریف، میرا شریف، زکوڑی شریف، سیال شریف، بھر چونڈی شریف وغیرہم علیہم الرحمۃ نے آل انڈیائی کانفرنس بنارس میں شمولیت فرمائی اور پاکستان مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

ہمارے شیخ کریم قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں محمد قاسم محدث مشوری قدس سرہ نے لاڑکانہ میں بھٹو کے مقابلہ پر الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا اور باطل کے رد میں ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ آپ کی تصانیف میں فتاویٰ قاسمیہ، معلم الفرائض، اوضح البیان ان الشیعة اعداء القرآن اور البینات الواضحات فی اثبات الذکر بالجہر بعد المکتوبات اہم کتابیں ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ جمعیت علماء پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ روافض اور خوارج کے رد میں کتابیں لکھیں۔ آپ کی کتاب مذہب شیعہ ایک نہایت محققانہ کتاب ہے۔

افغانستان میں نقشبندی سلسلے کے صوفیاء خانقاہوں سے نکلے اور روس کو تہہ وبالا کر کے دکھا دیا۔ یہ محض چند مثالیں ہیں جو ہم نے پیش کیں، ورنہ اس موضوع پر اگر لکھنے بیٹھا جائے تو دفتروں کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔

آج بھی پاک و ہند میں اہم ترین دینی مدارس انہی صوفیاء کے آستانوں پر قائم ہیں۔ لہذا صوفیاء کرام علیہم الرضوان پر بے حسی، شرعی معاملات میں عدم دلچسپی اور صلح کلی کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ میڈیا پروا دینا کرنے والے مغرب کے زر خرید افراد کی الزام تراشیاں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں خریدے جاتے رہے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے بھی ایسے ہی لوگوں کو خرید لیا تھا اور یہ دھندا آج بھی جاری و ساری ہے۔

سوال نمبر 7۔ صوفیاء نے اسلامی اقتدار اور حکومت کے مقابلے پر باطنی اقتدار کا ڈھونگ رچایا حتیٰ کہ خلیفہ اور گدی نشین کی اصطلاح بھی اسی ضد میں وضع کر لی۔ غوث کو ولیوں کا خلیفہ اور سربراہ مانا جاتا ہے۔ یہی انکا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ اور ہر غلمے اور سادہ لوح آدمی کو خلیفہ بنا دیا جاتا ہے۔

جواب:- ہمیں حیرت ہو رہی ہے کہ آپ کس طرح ڈھٹائی کے ساتھ تصوف کو حکومت کا چرہ بہ کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ خلیفہ، گدی نشین اور غوث کو سربراہ حکومت کے مقابلے پر کھڑا کیا گیا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک اسلامی زندگی کے تین مختلف شعبے ہیں۔ ان میں سے ہر شعبے کو ذیل کرنے والے لوگ مختلف ہیں۔

پہلا شعبہ اسلامی حکومت کا ہے۔ ملک میں اسلامی قانون رائج کرنا اور سزاؤں کا نفاذ کرنا، فوجیں تیار رکھنا اور جہاد کرنا اور عوام کی فلاح و بہبود پر توجہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام فرض کفایہ ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی تجویز و تکفین پر بھی اسے مقدم کر دیا گیا تھا۔ حکومت کی مثال بادام کے بیرونی چھلکے جیسی ہے جو سخت مضبوط ہوتا ہے۔ اور اسے توڑنا آسان نہیں ہوتا۔ حکومت ڈنڈے سے اصلاح کرتی ہے۔

دوسرا شعبہ علماء کرام کا ہے۔ اپنی ضرورت کی حد تک شرعی علوم میں مہارت حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ اجتہادی سطح تک علم حاصل کرنا اور لوگوں کو راہنمائی دینا فرض کفایہ ہے۔ علماء کی مثال بادام کے اندر والے چھلکے جیسی ہے جو مغز کے اوپر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

علماء زبان سے اصلاح کرتے ہیں۔

تیسرا شعبہ تصوف اور روحانیت کا ہے۔ اپنے نفس کی اصلاح اور ریاضی، تکبر، حسد وغیرہ سے بچنا اور نیت کو درست رکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ لیکن اس میں ایسی مہارت حاصل کرنا کہ دوسروں کو بھی انہی چیزوں کی تربیت دی جاسکے، فرض کفایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بندے کو خلافت نہیں دی جاتی۔ روحانی شعبے کی مثال بادام کے اندر والے مغز جیسی ہے۔ کیونکہ آخرت کی بخشش کا دار و مدار اسی نفس کی اصلاح اور نیت کی درستی پر ہے۔

تقریباً یہ ساری بحث حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس نے اپنی کتاب سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار میں لکھی ہے۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی یہی بحث نہایت علمی اور دقیق انداز سے فرمائی ہے (احیاء العلوم صفحہ ۲۳)۔

ہم بار بار واضح کر رہے ہیں کہ غیر ذمہ دار قسم کے لوگوں کی باتیں، شعرا و ان کا ہر کس و ناکس کو خلافت دے دینا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس طرح کے لوگ ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں۔ خود تصوف کے مخالفین میں بھی غیر ذمہ دار اور احمق افراد کی کمی نہیں ہوگی۔ آپ خود بتائیے کیا آپ اپنے ہر فرد پر ایک جیسا اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا آپ اپنے تمام علماء کے نظریات اور تحریرات سے متفق ہیں۔

اگر تصوف میں کسی کو غوث کہہ دیا جاتا ہے تو پھر کیا ہوا؟ صوفیاء کو اپنی اصطلاحات وضع کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ اہل سنت کے علماء تو محدث اور اہل حدیث کا لفظ حدیث کے ہر استاد کے لیے بھی استعمال نہیں کرتے جبکہ آپ کے ہاں ہر اس شخص کو محدث کہہ دیا جاتا ہے جس نے چند سال کسی مدرسے میں دھکے کھالیے ہوں اور اہل حدیث تو آپ پیدا نشی ہوتے ہیں۔ پھر اہل حدیث، محدث اور سلفی کی اصطلاح بھی قرآن و سنت سے کہیں ثابت نہیں۔ محض غوث کے لفظ پر اتنی برہمی اور ناراضگی کیوں ہے؟

سوال نمبر 8۔ صوفیاء کے باطنی نظام کے مطابق غوث، قطب اور ابدال کا نظام بنادیا گیا ہے جو قضا و قدر پر نظر رکھتے ہیں۔ اور ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں۔

جواب:- اس میں قباحت ہی کیا ہے؟ اولاً تو یہ روحانی باتیں ہیں جنہیں ہر کس و نا کس اور خصوصاً ظاہریت کا حامل نہیں سمجھ سکتا۔ ہم آگے چل کر انشاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے کہ باطنی علوم کہاں سے ثابت ہیں۔ ہم قرآن بھی دکھائیں گے اور احادیث بھی۔ بخاری بھی پڑھیں گے اور مسلم بھی۔ فی الحال اتنا عرض ہے کہ قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالْمَذَبَرَاتِ أَمْرٌ أَلْعِنَى قِسْمٌ هِے اَمْرِ كِی تَدْبِرُ كَرْنِے وَاَلْوَلِ كِی (النَّازَعَاتِ: ۵)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نظامِ دنیا کی باطنی تدبیر کرنے والوں کی قسم اٹھائی ہے اور مذبذباتِ امر اگر آپ کے خیال میں فرشتے ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ فرشتے بھی تو غیر اللہ ہیں، پھر فرشتوں کو مذبذباتِ امر ماننا شرک کیوں نہیں؟ یَذْبُرُ الْأَمْرَ یعنی اللہ خود امر کی تدبیر فرماتا ہے (سجدہ: ۵)، یونس: ۳۱)۔ قرآن کے ان الفاظ میں اللہ نے خود اپنے آپ کو امر کی تدبیر کرنے والا قرار دیا ہے۔ مگر اوپر والی آیت میں مذبذباتِ امر غیر اللہ کیوں کہہ دیا؟

ثانیاً حدیث شریف میں ہے کہ عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ، الْأَبْدَالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، كُلُّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمُ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ زَوْادًا أَحْمَدُ یعنی ابدالِ شام میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہوں گے، جب کبھی کوئی ابدال فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر نیا ابدال بھیج دے گا، ان کی برکت سے بارشیں ہوں گی اور ان کی برکت سے دشمنوں کے خلاف مدد ملا کرے گی اور ان کی برکت سے شام والوں سے عذاب ٹلا رہے گا (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)۔

اس حدیث میں نہ صرف ابدالوں کا ذکر ہے بلکہ انکی برکت سے عذاب ٹل جانے کا ذکر بھی موجود ہے۔ آپ کے نزدیک امام احمد بن حنبل تو محدث ہی ہوں گے۔ آپ امام بخاری علیہ الرحمہ کے استاد ہیں نہ کہ کس و نا کس۔ یہ حدیث انہوں نے اپنی کتاب مسند احمد میں بیان فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الْأَبْدَالُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ ثَلَاثُونَ مِثْلُ ابْنِ رَاحِمٍ خَلِيلِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ

كَلَمَاتٍ رَجُلٌ أَبَدَلَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَكَانَهُ رَجُلًا يَعْنِي اس امت میں ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہت رکھنے والے تیس ابدال ہوا کریں گے۔ ایک ابدال فوت ہوگا تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا ابدال بھیج دے گا (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۷۹)۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر ہر کلام بھی حتمی نہیں ہوتا اور پھر دوسری احادیث کی تائید اسے قوت بھی فراہم کر رہی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ إِذَا ضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بَارِضٌ لَيْسَ بِهَا أُنَيْسٌ، فَلْيَقُلْ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعْيُنُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا تَرَاهُمْ يَعْنِي جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز پردیس میں گم ہو جائے یا اسے مدد کی ضرورت ہو تو اسے پکارنا چاہیے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے (رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَ كَذَا فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ وَالْحُصْنِ الْحَصِينِ وَ كِتَابِ الْأَذْكَارِ لِلنَّوَوِيِّ، وَ الْحَدِيثِ صَحِيحٍ، وَثِقَرِ جَالَهُ)۔

یہ حدیث صحیح ہے اور خصوصاً حصن حصین کے مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ مولا علیؑ سے کسی نے کہا کہ شام والوں پر لعنت بھیجیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے نبی کریمؐ سے سنا ہے کہ وہاں ابدال ہوں گے جن کی برکت سے بارش ہوگی اور دشمنوں کے خلاف مدد ملے گی اور عذاب ٹلا رہے گا۔ جب ایک ابدال چلا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر دوسرا بھیج دے گا (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۲)۔

حدیث کے الفاظ فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا تَرَاهُمْ (اللہ کے بندے ایسے موجود ہوتے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے) سے اخذ کرتے ہوئے ان ابدالوں کو رجال الغیب کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر 9۔ ابن عربی کے نزدیک صوفیاء کی ولایت نبوت سے بھی افضل ہے۔ مرزا قادیانی کو یہیں سے نبوت کا دعویٰ کرنے کا موقع ملا تھا۔

جواب:- ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی کا خدا سے تعلق اسی نبی کی ولایت کہلاتا ہے اور نبی کا انسانوں سے تعلق اسی نبی کی نبوت کہلاتا ہے۔ نبی کی اپنی ولایت یعنی خدا سے دوستی، اسکی

اپنی نبوت یعنی انسانوں سے تعلق سے افضل ہے۔ یہ بات شیخ اکبر کی کتب اور ان کی شروح میں تفصیل سے موجود ہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سیفِ چشتیائی میں بھی اسکی اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔ اور مرزا قادیانی کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا ہے۔

شیخ اکبر سیدنا محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اسے ہم اپنے سے اس طرح بلند دیکھتے ہیں جس طرح آسمان کے ستارے ہم سے بلند ہیں۔ ابن عربی علیہ الرحمۃ کے اصل الفاظ یہ ہیں لَا يَصِحُّ أَنْ يُنَالَ مَقَامَ النَّبَوِّ قَانَا نَرَاهُ كَالنَّجُومِ عَلَى السَّمَاءِ۔

شیخ اکبر کی عبارات کو سمجھنا ہر کس و نا کس کا کام نہیں۔ خصوصاً آپ جیسے اہل ظواہر اور متعصبین کے بس میں تو بالکل ہی نہیں ہے۔

باقی رہا مرزا قادیانی تو اس ظالم نے صوفیاء کے اقوال کو ہی نہیں بلکہ دوسرے علماء کے اقوال کو اور اس سے بڑھ کر قرآن و سنت کو بھی اپنی نبوت کی بنیاد بنانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ غلام احمد پرویز تو یہاں تک کہتا ہے کہ احادیث کا ذخیرہ مرزا کو نبی بنانے کا سبب بنا۔

سوال نمبر 12۔ وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول کے عقائد سے ہر چیز کو خدا بنادیا جاتا ہے۔ جواب:- آپ نے یہ باتیں لکھتے وقت دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ محقق ہوتے تو ایسی الزام تراشی کرتے وقت خدا کا خوف کر لیتے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آپ کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کو جب ہم اس مضمون میں نقل کرتے ہیں تو مکمل ایمان داری سے نقل کر کے پھر اس کا رد لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر ہم نے خود اپنے اوپر اس طرح سخت سوالات وارد کیے ہیں کہ اس طرح سوال بنانے کا شعور آپ کو خود بھی نہیں تھا۔ ایک دیانتدار محقق کا یہی انداز ہونا چاہیے۔ اگر ہمت ہے تو صوفیاء کے حلولی ہونے کا ثبوت پیش کیجیے۔

یاد رکھیے کہ حلول کا نظریہ سراسر کفر و الحاد ہے اور صوفیاء کرام اس سے سو فیصد بری الذمہ ہیں۔

باقی رہا وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔ تو اس موضوع پر تفصیل سے عرض کرنے کی

بجائے ہم قرآن و سنت کی تصریحات آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ آپ خود نتیجہ نکال لیجیے۔ ہم نتیجہ اس لیے بیان نہیں کر رہے کہ ہم پر ان دلائل کی ایسی تعبیر کا الزام نہ لگے جو تعبیر آپ نے اپنی مخصوص عینک کے ساتھ صوفیاء کے ہاں تلاش کر لی ہے۔

(۱)۔ اللہ کریم فرماتا ہے **اللَّهُ نُورُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ** اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

(۲)۔ فرماتا ہے۔ **نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ** (ق: ۱۶)۔

(۳)۔ فرماتا ہے۔ **فَإِنَّمَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهَ اللَّهِ** (البقرة: ۱۱۵)۔

(۴)۔ اور فرماتا ہے۔ **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى** (انفال: ۱۷)۔

(۵)۔ اور فرماتا ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ** (الفتح: ۱۰)۔

حدیث پاک میں ہے:

(۱)۔ **مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ**

مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أَحْبَبْتُهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ

فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي

يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لِأَعْطِيْتَهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لِأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ

تَرَدَّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مُسَايَئَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ زَوَاهِ الْبَحَارِ

یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے، جن چیزوں سے میرا بندہ میرے قریب ہوتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ چیز ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے، میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، میں اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں، میں اپنے کسی کام کے بارے میں کبھی متردد نہیں ہوا سوائے مومن کی جان لینے کے، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں بھی اسکی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں مگر اسکی موت ضروری ہوتی ہے (بخاری)

جلد ۲ صفحہ ۹۶۳۔

(۲)۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ یعنی خبردار اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے زَوَاہِ مُسْلِمٍ وَ الْبُخَارِی

(۳)۔ اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرْنِيْ وَ تَحَزَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذریعے سے حرکت کرتے ہیں (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۹)۔

قرآن و سنت کے اس قدر ان گنت بیانات سے بھی صوفیاء کرام نے حلول کو ہر گز ثابت نہیں فرمایا بلکہ کائنات کو محض اس کی جلوہ گاہ قرار دیا ہے۔ ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد صرف خدا کا باقی رہنا الگ چیز ہے اور ہر چیز کا خود خدا بن جانا الگ چیز ہے۔ پہلی چیز حق ہے اور دوسری چیز کفر ہے۔

سوال نمبر 10۔ صوفیاء کے نزدیک قرآن و سنت کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی۔ اس نظریے کی بنیاد ابن عربی نے رکھی۔ حالانکہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اَلَا هَلْ بَلَغْتُ فَرَمَا یا تھا اور سب صحابہ نے جواب دیا تھا بلی۔ کسی صحابی کو ظاہری اور کسی کو باطنی معنی بتانا یکسانیت نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا نبی کریم ﷺ پر الزام ہے۔

جواب:- حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک قسم کا علم تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس دوسری قسم کا علم تھا۔ فرمائیے علم کی یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ صوفیاء نے یا خدا نے؟

ثانیاً حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اِنَّكَ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ وَاَنَا عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهُ یعنی آپ کے پاس ایسا علم ہے جسے میں نہیں جانتا اور میرے پاس ایسا علم ہے جسے آپ نہیں جانتے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)۔

اب فرمائیے بخاری اور مسلم آپ کی مرغوب کتابیں ہیں کہ نہیں۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے

کہ نہیں؟ کیا اس حدیث میں علم کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں کہ نہیں؟ کیا ان دو مختلف علوم کے حاملوں کا واقعہ کافی تفصیل کے ساتھ قرآن میں بھی ہے کہ نہیں؟ یہ بھی بتائیے کہ حضرت خضر کو چل کر موسیٰ کے پاس جانا پڑا تھا یا کہ موسیٰ کو چل کر خضر کے پاس جانا پڑا تھا؟ شرعی علم کی اہمیت اور مرتبہ زیادہ نکلا یا تکنیکی علم کا؟

بخاری کے اسی باب میں اسی صفحہ پر یہ حدیث بھی درج ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم سیکھے ہیں۔ ایک علم وہ ہے جسے میں بیان کرتا ہوں۔ دوسرا علم وہ ہے کہ اگر بیان کروں تو لوگ میری گردن کاٹ دیں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳)۔

اب ذرا ہوش سنبھال کر بولیں۔ علم کی یہ دو قسمیں صوفیاء بیان کر رہے ہیں یا ابو ہریرہ بلکہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا؟

یہ بھی فرمائیے کہ اس حدیث میں علم کی دوسری قسم سے مراد کچھ بھی سہی۔ پوچھنا یہ ہے کہ وہ دوسرا علم تمام لوگوں کو کیوں نہ بتایا گیا۔ بلکہ اگر انہیں بتایا جائے تو وہ ابو ہریرہ کی گردن کیوں کاٹتے ہیں؟ کیا ہے آپ کے پاس اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ کا جواب؟ اور کیا ہے آپ کے پاس صحابہ کے بلی کہنے کا جواب؟

مزید سنیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لِكُلِّ اَيَّةٍ مِنْهَا ظَهَرَ وَبَطَنٌ وَلِكُلِّ حَدِّ مُطْلَعٌ رَوَاهُ فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ یعنی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر علم والے کے علم کی ایک حد ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۵)۔ یہ ابن عربی نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اس ارشاد کو روایت کرنے والے ابن مسعود ہیں۔ جو سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ، وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم قلب میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے۔ دوسرا علم زبان

پر ہوتا ہے اور یہ علم آدم کی اولاد پر اللہ کی حجت ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۷۳)۔

سوال نمبر 11۔ عبد اللہ بن سبا یہودی اس باطنی تحریک کا سب سے بڑا پرچارک تھا۔ حضرت علیؑ نے حلوئیوں کو زندہ جلادیا تھا۔ منصور حلاج نے اسی بنا پر خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔

جواب:- ہم قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ باطنی علوم کا پرچارک خود خدا ہے۔ جہاں تک عبد اللہ بن سبا یہودی کا تعلق ہے تو وہ بد بخت مولا علیؑ کی الوہیت اور خلافت بلا فصل کا پرچارک تھا۔ وہ رافضی تھا اور رافضیوں کی نشانی حدیث شریف میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے مسلمانوں پر کیچڑا چھالیں گے (صواعق محرقة مصنفہ ابن حجر کی صفحہ ۱۶۱)۔

باقی رہا ابن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ انا الحق، تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ابن منصور کا سب سے پہلے نوٹس لینے والی ہستی حضرت جنید بغدادی قدس سرہ ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان پر سخت گرفت فرمائی ہے۔ اور ان کے دعوے کو غلط قرار دیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حسین بن منصور حلاج حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں جا کر بیٹھ گئے۔ آپ نے پوچھا میرے پاس کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا آپ کی صحبت سے مستفید ہونے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا میری صحبت میں بیٹھنے کے لیے دماغی صحت کی ضرورت ہے اور تمہارے پاس دماغ نہیں ہے (کشف المحجوب فارسی صفحہ ۱۹۸)۔

اولیاء کرام علیہم الرضوان نے ابن منصور کے اس دعوے کو غلبہ حال اور عدم برداشت پر محمول فرمایا ہے۔ اور کسی مسلمان کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا اور اس کی بات کا اچھا محمل تلاش کرنا واجب ہوتا ہے۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ علماء حق نے اس پر سخت گرفت فرمائی۔ تو پھر مان لیجیے کہ جنید بغدادی اور داتا صاحب جیسے صوفیاء علمائے حق ہیں۔

باقی رہا ابن منصور کو قتل کرنے کا اقدام۔ تو یہ اقدام حکومت کا ہی کام ہوتا ہے۔ حکومت وقت نے یہ کام کر دیا تھا۔

سوال نمبر 12۔ عالم کفر کیلئے تصوف میں کشش اس لیے ہے کہ تصوف جہاد سے منع کرتا ہے۔

جواب:- کسی صوفی کی وہ عبارت ہمیں دکھائی جائے جس میں اس نے کہا ہو کہ جہاد منع ہے۔ ہم انشاء اللہ خود اس پر لعنت بھیجیں گے۔ اگر آپ ایسا نہ کر سکیں تو پھر آپ خود جھوٹ بول رہے ہیں بلکہ جھوٹ سے بڑھ کر بہتان لگا رہے ہیں۔ جھوٹے پر لعنت ہے اور بہتان باندھنے والے پر کیا کچھ ہوگا خود اندازہ فرمالیجیے۔

ثانیاً صوفیاء کی نرم دلی اور ان میں سے بعض غیر ذمہ دار افراد کے کلام کو غلط مفہوم پہنا کر آپ نے جہاد کا انکار برآمد کر لیا ہے۔ یہی غلط مفہوم عالم کفر نے قرآنی آیات اور احادیث کو پہنانا شروع کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھانت بھانت کے گمراہ لوگوں سے پہلے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی بھی لکھ دیا ہے۔ بلکہ جس طرح آپ نے صوفیاء کے شعروں کو غلط مفہوم پہنایا ہے اسی طرح کفار نے حدیث کے الفاظ کُلُّکُمْ بَنۡیَ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تَرَابٍ کو غلط مفہوم پہنایا ہے۔

سوال نمبر 13- اکبر بادشاہ نے اسی تصوف کی بنیاد پر دین الہی ایجاد کر لیا تھا۔ اس وقت کے مسلمانوں نے اسے رد کر دیا تھا۔

جواب:- اکبر کی خباثت کو رد کرنے والوں کو آپ نے مسلمان کہا ہے؟ ذرا سنیے وہ کون سے مسلمان تھے۔ وہ کوئی اہل حدیث تھا یا ایک صوفی کامل۔ اکبر کا مقابلہ کرنے والی تنہا شخصیت کا نام مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز ہے۔ آپ نے اکبر کو سجدہ نہیں کیا۔ جیل میں بند کر دیے گئے۔ آپ جیل میں ہی تھے کہ اکبر مر گیا۔ اکبر کے بیٹے جہانگیر نے تخت سنبھالا تو اسے نبی کریم ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر فرمایا کہ ہم تم سے ناراض ہیں۔ تم نے ہمارے دوست احمد سرہندی کو قید کر رکھا ہے۔ وہ صبح اٹھ کر سیدھا جیل پہنچا اور حضرت مجدد کو رہا کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت تک رہائی قبول نہیں کروں گا جب تک سجدہ تعظیمی کی بد تمیزی ختم نہیں کی جاتی۔ جہانگیر نے سجدہ تعظیم ختم کرنے کا وعدہ کر لیا۔ آپ جیل سے باہر تشریف لے آئے۔

یہی وہ صوفی ہیں جو وحدت الشہود کے قائل تھے جسے آپ کفریات کی فہرست میں

ٹانک چکے ہیں۔ اور یہی وہ صوفی ہیں جنہوں نے اکبر کے دین الہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ یہ کام کسی اہل حدیث نے نہیں بلکہ صوفی کامل نے سرانجام دیا تھا۔ اللہ الحمد

سوال نمبر: 14۔ تصوف کی اصطلاحات کو بالائے طاق رکھ کر بتائیے کہ تصوف کی تمام تر تعلیمات کا قرآن و سنت میں کیا ثبوت ہے؟

جواب:- تصوف سے مراد اسلام کا روحانی نظام ہے۔ روحانیت میں خیالات کی یکسوئی اور ارتکاز کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ عقیدہ توحید کثرت خیالات سے نجات دلا کر ایک ذات کی طرف یکسوئی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا غار حرا میں تشریف لے جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر چلہ کاٹنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوہ سعیر میں چلہ کش ہونا، مسلمانوں کا رمضان شریف میں اعتکاف بیٹھنا، نماز میں یکسوئی اور حضور قلب کا حکم وغیرہ سب غیر اللہ سے انقطاع اور تجلّی الی اللہ کے ذرائع ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا دنیا کی زندگی کو لعب اور لہو قرار دینا اور متاع الغرور قرار دینا، نبی کریم ﷺ کا دنیا کو ملعون قرار دینا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)، دنیا کو مردار جانور سے بھی بدتر قرار دینا (مسلم)، حدیث میں قد سبق المفردون کے الفاظ (مسلم)، فتنے کے دور میں چلنے والے آدمی سے کھڑا بہتر، کھڑے سے بیٹھا بہتر (بخاری، مسلم)، ان اللہ یحب العبد التقی الغنی الخفی (مسلم)۔ انہی باتوں پر صوفیاء کا عمل ہے۔

قرآن میں حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ تصوف کی بہت بڑی اساس ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا اور بیماروں کو شفا دینا، اولیاء کی کرامات مثلاً حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس بے موسے پھل پہنچ جانا اور آصف بن برخیا علیہ الرحمہ کا تحت بلقیس پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دینا وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نارِ مرود میں پھینکے جانے کا واقعہ اور آپ کا حسبی عن سوا لی علمہ بحالی فرمانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت میں آگ کا نظر آنا اور اس میں اللہ کریم جل مجدہ کی طرف سے آواز سنائی دینا (کما فی القرآن) وغیرہ تصوف کی معرکۃ ال آراء بنیادیں ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حدیث احسان، انہی بخاری اور مسلم کی احادیث میں دو قسم کے علوم کی تصریحات، اصحاب صفہ جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور احادیث و تفاسیر میں بھی، احادیث کی

کتب میں ذکر کے ابواب اور ذکر کے حلقوں کے فضائل انہم قوم لایشقی جلیسہم، کتاب الاخلاق، کتاب الرقاق، کتاب الزہد، باب الحب فی اللہ، اخلاص کی احادیث، باب تعبیر الرویاء، کتاب المعجزات، باب الکرامات وغیرہ سب باتیں تصوف سے ہی متعلق ہیں۔

قرآن شریف کا شفا ہونا، حدیث شریف کے الفاظ ان فی الصلوٰۃ شفاء، بخاری اور مسلم میں سورۃ فاتحہ کا دم، العین حق اور مؤطا امام مالک میں اس کا عجیب و غریب علاج، حدیث کی کتابوں میں باب الرقیۃ کے نام سے مکمل ابواب بھی تصوف ہی کے شاخسانے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کے تکوینی کام، مہربانیاں اور احادیث میں ابدالوں اور رجال الغیب کے تذکروں کا کہاں تک انکار کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے تصوف کا صرف ثبوت مانگا تھا، اسلام میں تو غالب ہی تصوف نکلا۔

باقی رہی اصطلاح۔ تو زہد، تزکیہ، احسان، سلوک اور فقر ایک ہی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ قرآن و سنت میں موجود ہیں انہی کو اصطلاحاً تصوف کہا جاتا ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

WWW.NAFSEISLAM.COM

حصہ دوم

تصوف کے میدان میں



پہلا باب

بیعت کر لینے کے بعد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کر لینے کے بعد کے احوال کا ذکر کرنے سے پہلے مرشد کی ضرورت مختصر اُبیان کر دی جائے اور پھر اصل موضوع کی طرف لوٹا جائے۔

مرشد کی ضرورت کیا ہے؟

مرشد کی ضرورت کا سوال اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے قرآن و سنت یا کسی بھی موضوع پر مہارت حاصل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت کا سوال اٹھایا جائے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ کمینہ کون ہے؟ فرمایا جسے اللہ تک

پہنچنے کا طریقہ نہ آتا ہو اور نہ کسی سے پوچھتا ہو (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۲۵)۔

پیر پکڑنے کا مقصد دم کروالینا، تعویذ لے لینا اور دعا کروالینا اور نذرانے دینا نہیں۔ مرشد پکڑنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔ اس راستے میں نفس اور شیطان قدم قدم پر دھوکا دیتے ہیں اور قدم قدم پر راہنما کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو شخص مرشد کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھتا ہے اس کا مرشد شیطان ہے۔ من لم یکن لہ شیخ فشیخہ الشیطان۔

مرشد بننے کے لیے شرائط یہ ہیں کہ وہ صحیح العقیدہ سنی ہو، عالم ہو، باعمل ہو، اسکے مرشد نے اسے بیعت لینے کی اجازت دی ہو اور اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جڑا ہوا ہو۔ یہ سب باتیں الذین آمنوا وکانوا یتقون اور وکانوا مع الصدقین سے ثابت ہیں۔ بیعت طریقت کی شرعی حیثیت استحباب کی ہے۔ بعض علماء نے اسے سنت بھی لکھا ہے۔ انسان کی تخلیق کے مقصد اور نفس کی اصلاح کو مد نظر رکھا جائے تو اس پر بڑے بڑے فرائض موقوف ہیں۔ اس کے پیش نظر بعض علماء نے تصوف اور طریقت کو فرض عین قرار دیا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ تکبر، ریا اور حسد وغیرہ روحانی امراض سے بچاؤ کی حد تک تصوف سیکھنا فرض عین ہے خواہ یہ تعلیم کسی مرشد سے حاصل کی جائے یا بوڑھی عورتوں سے۔ اس سے آگے منازل سلوک طے کرنا مستحب ہے اور اس غرض سے بیعت کرنا بھی مستحب ہے۔ مذکورہ تقسیم کو ملحوظ رکھے بغیر تصوف کو مطلق فرض عین کہہ دینا غلو ہے اور تحقیق کے منافی ہے۔

بیعت کر لینے کے بعد

ہماری بیان کردہ شرائط کے حامل شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد مرید کے لیے ضروری ہے کہ اپنے شیخ کی اطاعت کرے اور اپنے آپ کو اس طرح مرشد کے حوالے کر دے جیسے مردہ غاسل کے حوالے ہوتا ہے۔ اسی لیے مشائخ علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ المرید کالمیت والشیخ کالغاسل یعنی مرید میت کی طرح ہے اور مرشد غسل دینے والے کی طرح۔

قصہ سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اور قصے قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد اولیاء کرام علیہم الرحمہ کے واقعات بھی قرآن میں موجود ہیں۔

اللہ کے پیاروں کے حالات و واقعات سننے سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ قلب میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ کوئی واقعہ ایسا سامنے آ جاتا ہے جو طالبِ طریقت کی موجودہ کیفیت کے عین مطابق ہوتا ہے اور اسے اس سے لائن اور اہمائی مل جاتی ہے۔ انہیں فضول قصے کہانیاں سمجھنا کفر ہے اور نادانی کی انتہا ہے۔ اللہ کریم نے قرآن میں متعدد بار قصہ سیدنا آدم علیہ السلام کو بیان فرمایا ہے، سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی کا قصہ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کے واقعات اور خصوصاً قصہ نارنمرد، سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ، سیدنا یونس علیہ السلام اور مچھلی کا قصہ، سیدنا داؤد علیہ السلام کا قصہ، سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قصہ، سیدنا شعیب علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہما السلام کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور درخت کی آگ کا قصہ اور ان کا فرعون کے ساتھ مقابلے کا طویل سلسلہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا قصہ۔

پھر قرآن یہ بھی فرماتا ہے کہ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص کہ بعض انبیاء کے قصے ہم نے بیان کر دیے ہیں اور بعض کے نہیں کیے (مومن: ۷۸)۔ تمام قصوں سے افضل یعنی احسن القصص حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔ نحن نقص علیک احسن القصص (یوسف: ۳)۔

ان واقعات و قصص کو بیان کرنے کی حکمت قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بھا فؤادک تا کہ ان قصوں کے ذریعے اے محبوب ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں (ہود: ۱۲۰)۔

نیز فرمایا: فی قصصہم عبرۃ لا ولی الا للباب یعنی ان کے قصے سے عقلمندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں (یوسف: ۱۱۱)۔ اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی سیدنا موسیٰ و سیدنا خضر علیہما السلام کا

قصہ ہے۔ جو قرآن، مجید، بخاری، مسلم اور بے شمار دیگر کتب میں منقول ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: بعد میں کسی نے پوچھا کیا آپ سے کوئی بڑا عالم اس وقت دنیا میں موجود ہے؟ آپ نے اپنی معلومات کے مطابق اظہارِ حقیقت کے طور پر فرمایا: نہیں۔ اس پر اللہ کریم کی طرف سے عتاب ہوا کہ آپ نے علم کو میری طرف منسوب کیوں نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میرا بندہ خضر آپ سے زیادہ علم والا ہے جو دو دریاؤں کے سنگم کے پاس رہتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا باری تعالیٰ میں تیرے بندے تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ فرمایا: ایک مچھلی اپنے ساتھ رکھ لو۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ بندہ ادھر ہی ہوگا۔ آپ چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون ؑ بھی تھے۔ آپ نے ایک مچھلی تھیلے میں ڈال لی۔ چلتے چلتے جب دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں نے آرام کیا۔ اس دوران مچھلی تھیلے میں تڑپی اور دریا میں کود گئی اور عجب طریقے سے پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت میں سفر کیا۔ مچھلی والا واقعہ نوجوان نے دیکھا تھا مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گیا۔ پھر انہوں نے سفر جاری رکھا اور دن کا باقی حصہ اور رات بھر سفر کرتے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا نکالو، اس سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا ہے۔ جوان نے عرض کیا حضور مچھلی فلاں جگہ پر دریا میں چلی گئی تھی اور مجھے شیطان نے بھلا دیا اور میں آپ سے عرض نہیں کر سکا۔ فرمایا: وہی جگہ ہے جہاں ہم نے پہنچنا تھا۔ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس گئے۔ حتیٰ کہ دریاؤں کے سنگم کے پاس چٹان پر گئے۔ وہاں ایک آدمی کپڑا اوڑھ کر سو رہا تھا۔ آپ نے اسے سلام فرمایا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ اے اللہ تیری زمین پر سلامتی کہاں ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ فرمایا بنی اسرائیل والے موسیٰ۔ فرمایا ہاں۔ آپ کو کیسے خبر کہ میں بنی اسرائیل سے ہوں۔ فرمایا جس نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے اسی نے مجھے خبر دی ہے۔ آپ کو اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے میں نہیں جانتا اور مجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے۔ کیسے آنا ہوا؟ فرمایا اہل اتباع علی ان تعلمن مما علمت رشدا کیا میں آپ سے وہ رشد و ہدایت سیکھنے کے لیے

آپ کی پیروی کر سکتا ہوں جو آپ سکھائے گئے ہیں؟ فرمایا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھے صبر والا پائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میرے ساتھ چلنا ہے تو پھر مجھ سے کسی بات کے بارے میں سوال نہ کرنا جب تک میں خود نہ بتاؤں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔

دونوں دریا کے کنارے کنارے چل پڑے۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، دونوں اس کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے بیٹھ گئی۔ اس نے سمندر میں سے چونچ میں پانی لیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے پر ایسے ہے جیسے اس چڑیا نے سمندر سے پانی لیا ہے۔

کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں نے آپ سے کرایہ نہیں لیا اور آپ نے احسان کا بدلہ یہ دیا کہ ان کی کشتی کا تختہ توڑ ڈالا تاکہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ انہوں نے فرمایا میں بھول گیا، مجھ سے درگزر کریں۔ کشتی سے اتر کر ساحل ساحل چل رہے تھے کہ ایک لڑکا دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے سر سے پکڑا اور ہاتھ سے قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے ننھی سی جان کو بلا وجہ قتل کر دیا، آپ نے عجیب حرکت کی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب آپ نے پہلے سے بھی زیادہ سخت بات کی ہے۔ انہوں نے فرمایا اگر میں آئندہ کوئی سوال کروں تو آپ مجھے جدا کر دینا۔ پھر چل پڑے۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور دیوار سیدھی کر دی۔ قال الخضر بیدہ ہکذا افاقامہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں مہمان قبول نہیں کیا آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت وصول کر سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔ رسول

اللہ ﷻ نے فرمایا: اللہ رحم کرے موسیٰ پر، اگر وہ صبر فرماتے تو ہمیں مزید ان کی باتیں معلوم ہو جاتیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کو ان باتوں کا مطلب بتا دوں جن پر آپ نے صبر نہیں کیا۔

کشتی والی بات کا پس منظر یہ تھا کہ آگے جا کر بحری ڈاکوئی کشتیاں لوٹ رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس کشتی میں عیب ڈال دوں تاکہ ڈاکو اسے ناپسند کر کے چھوڑ دیں۔ جب ڈاکوؤں سے آگے گزر گئے تو ان مسکینوں نے اپنی کشتی درست کر لی۔

لڑکے والا قصہ اس طرح ہے کہ اس لڑکے کا کفر مقدر تھا۔ مگر اس کے ماں باپ مسلمان تھے اور اس پر مہربان تھے۔ اس لڑکے نے بڑا ہو کر ماں باپ کو بھی کفر میں مبتلا کر دینا تھا۔ ہم نے چاہا کہ تیرا رب انہیں اس سے بہتر لڑکا عطا کرے جو پاک ہو اور مہربان ہو۔

دیوار والی بات اس طرح ہے کہ وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ جن کا باپ نیک تھا۔ اس دیوار کے نیچے خزانہ تھا۔ تیرے رب نے چاہا کہ وہ لڑکے جوانی کو پہنچ کر اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سارے کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ نے صبر نہیں فرمایا۔

قصہ سیدنا موسیٰ و سیدنا خضر علیہما السلام آپ نے پڑھا۔ اس واقعہ میں بے شمار اسباق اور فوائد پوشیدہ ہیں۔

۱۔ حضرت خضر علیہ السلام کا اسم گرامی بلیا بن ملک ان ہے، خضر کا معنی ہے سرسبز۔ جہاں بیٹھتے تھے وہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی تھی اس لیے خضر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے بڑے عالم کی نفی فرمائی۔ آپ کی یہ بات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا سبب بنی۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے بعض اوقات ایسی بات سرزد کر دیتی ہے جو بظاہر قابل عتاب ہوتی ہے مگر اس سے عنایات کا دروازہ کھلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ زمین میں اپنا خلیفہ بنائے، مگر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا دیا۔ اب اگر وہ شجر ممنوعہ سے نہ کھاتے تو زمین پر کبھی نہ آتے۔ آپ کا شجر ممنوعہ سے کھا لینا ظاہر الغرض ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل اسی سے ہوئی۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت نہیں فرمائی تھی بلکہ ایک طالب کی حیثیت سے گئے تھے۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے حضرت خضر علیہ السلام تک رسائی چاہنا بتا رہا ہے کہ رہنما کی تلاش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

۵۔ ان کے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلنے سے مرشد کو تلاش کرنے کا سبق ملا۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے خادم کو ساتھ رکھنا بتا رہا ہے کہ مریدوں کی وجہ سے حصول علم سے باز نہیں آنا چاہیے اور مریدوں کو اپنے لیے حجاب نہیں بنانا چاہیے۔ فوق کل ذی علم علیم۔


۷۔ خادم کے بھول جانے میں سبق یہ ہے کہ مرید غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور سمجھانا جائز ہے، لیکن اگر وہ کوئی عذر پیش کریں تو اس عذر کو قبول کرنا چاہیے۔ الکریم یقبل العذر۔ آخر کار حضرت خضر علیہ السلام کے مل جانے سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تلاش کرتے ہیں انہیں راستہ مل ہی جاتا ہے۔ من طلب وجد۔

۸۔ حضرت خضر علیہ السلام کے فرمان کہ انک لن تستطیع معی صبراً سے معلوم ہوا کہ مرشدِ کامل اپنے طالب یا مرید سے شرائط ٹھہرا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے پاس ایک شخص بیعت کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا اپنا مال و دولت سب لٹا کر آ جاؤ۔ وہ گیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں دے کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا میں آپ سے کچھ لینے نہیں آیا تھا۔ بلکہ محض بیعت کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے اسے بیعت فرمالیا اور اس کی تربیت فرمائی۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ سے بھی ان کے مرشد نے فرمایا تھا کہ اپنی بیویوں کو

طلاق دے کر آ جاؤ۔ آپ گھر پہنچے تو بیویوں نے پاؤں پکڑ لیے۔ والدہ سے بھی سفارش کرائی کہ ہم انہیں اپنے حقوق معاف کرتی ہیں مگر صرف اور صرف اپنے نکاح میں رہنے دیں اور اس تعلق سے محروم نہ کریں۔ آپ نے فرمایا میں مرشد سے پوچھوں گا۔ مرشدِ کریم کے پاس حاضر ہو کر پوچھا تو انہوں نے بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی۔

۹۔ کان ابوہما صالحا سے معلوم ہوا کہ اللہ کریم جل شانہ صالحین کی اولاد کا لحاظ فرماتا ہے۔

۱۰۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ رزق کا اہتمام خود فرماتا ہے اور وقت سے پہلے ہی خزانے  ظکر ادا دیتا ہے۔

۱۱۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو سوراخ کیا تو فرمایا اردت ان اعیبھا میں نے چاہا کہ کشتی میں عیب ڈالوں۔ جب بچے کو مارا تو فرمایا فاردنا ان یبدلھما ربھا۔ ہم نے چاہا کہ بچہ بدل دیا جائے۔ جب دیوار سیدھی کی تو فرمایا فارد ربک تیرے رب نے چاہا۔ تینوں مواقع پر میں نے چاہا۔ ہم نے چاہا۔ تیرے رب نے چاہا کہ مختلف الفاظ استعمال فرمائے۔ کشتی میں سوراخ کرنا عیب تھا لہذا اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا فاردت میں نے چاہا۔ ایک بچے کو لے جانا اور دوسرا بچہ عطا کرنا عیب اور خوبی کا مجموعہ تھا، لہذا فرمایا اردنا ہم نے چاہا۔ تاکہ عیب کو اپنی طرف اور خوبی کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔

۱۲۔ دیوار سیدھی کرنا بھلائی ہی بھلائی تھی، لہذا اس بھلائی کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا فارد ربک تیرے رب نے چاہا۔ معلوم ہوا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے ما فعلتہ عن امری۔ لیکن بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ عیب کو اپنی طرف اور خوبی کو رب کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ ربنا ظلمنا انفسنا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ مگر شیطان نے اعتراف کی بجائے کہا تھا فبما اغویتنی تو نے خود مجھے گمراہ کیا ہے۔

سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کو ایاز سے محبت تھی۔ دوسرے تمام وزیر اس پر حسد کا

شکار تھے۔ ایک روز سب نے محمود سے عرض کیا کہ آپ ایاز سے زیادہ محبت رکھتے ہیں حالانکہ ہم بھی غلامی کا حق ادا کرنے میں ہمہ وقت کوشاں ہیں۔ محمود نے کہا کہ خدمت میں کمی یا زیادتی کی بات نہیں ہے۔ دراصل ایاز میں ایسی باتیں ہیں اور کچھ پر اسرار ادائیں ہیں جو آپ لوگوں میں نہیں ہیں۔ محمود نے ایک دن تمام وزراء کو جمع کیا اور ایک نہایت قیمتی ہیرا ان کے درمیان رکھ دیا۔ ایک وزیر سے کہا اپنی تلوار سے اس ہیرے کے ٹکڑے کر دو۔ اس وزیر نے اس ہیرے کی شان میں ایک لمبی چوری تقریر جھاڑ دی اور کہنے لگا یہ ہیرا آپ کے تاج میں سجائے جانے کے قابل ہے توڑنے کے قابل نہیں۔ محمود نے اسے شاباش دی اور دوسرے وزیر سے ہیرا توڑنے کو کہا۔ اس وزیر نے بھی اسی طرح کی فصیح و بلیغ تقریر سنا دی، باری باری تمام وزراء نے ہیرے کے قصیدے سنائے مگر اسے کسی نے نہ توڑا۔ آخر کار محمود نے ایاز سے کہا کہ اسے توڑ دو۔ ایاز نے بے حیل و حجت آگے بڑھ کر ہیرے پر تلوار مار دی اور اس کے پرچے اڑا دیے۔ پھر محمود نے پوچھا کہ تم نے اتنا قیمتی ہیرا کیوں تباہ کر دیا؟ ایاز نے دس بستہ عرض کیا حضور غلطی ہو گئی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جدا ہوئے تو جاتے وقت پوچھا اوصنی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا: لا تطلب العلم لتحديث به واطلبه لتعمل به یعنی علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ تقریر کرو گے بلکہ اس لیے حاصل کرو کہ عمل کر سکو (بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۷۷)۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختلف سلاسل اور طرق، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں، جیسے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہوں، جن میں سے ہر انگلی ہتھیلی کی طرف جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک انگلی پر تھوڑا سا سفر کر کے اس انگلی کو چھوڑ کر دوسری انگلی پکڑ لے، پھر اس پر تھوڑا سفر کر کے تیسری انگلی پکڑ لے تو اس کا یہ سارا وقت محض رائیگاں ہوا۔ اگر وہ ایک ہی انگلی پر چلتا جائے تو ہتھیلی کے میدان میں پہنچ جائے گا۔ بالکل یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو شیخ طریقت بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ سلوک میں اپنے مرشد کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرو و فہذا سبب منع الاشیاخ مریدہم ان یشرک معہم فی السلوک غیرہم (الیواقیت والنجوا ہر جلد ۱ صفحہ ۸۰)۔

آداب مریدی

- (۱)۔ اپنے مرشد سے بے پناہ محبت رکھیں۔ طریقت کا دار و مدار مرشد کی محبت پر ہے۔ اپنی شمع کا پردانہ بنیں اور یہ یقین رکھیں کہ اگر جان بھی اس کی راہ میں چلی جائے تو خسارے کا سودا نہیں۔
- (۲)۔ اپنے مرشد کریم کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ سے کوئی لالچ نہ رکھیں، نہ کسی کا بتایا ہوا وظیفہ کریں اور نہ اپنے مرشد سے بڑا بزرگ اس دنیا میں کسی کو سمجھیں البتہ ادب سب کا کریں اور اگر کہیں سے فیض ملے تو اسے اپنے ہی مرشد کا فیض سمجھیں۔ (۳)۔ جو مرشد کریم کہیں وہ کریں جو مرشد کریم خود کریں اس پر عمل نہ کریں۔ بعض اوقات مرشد اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے ایسا کام کرتا ہے جس کا کرنا مرید کے لیے زہر قاتل ہے۔ (۴)۔ مرشد کریم کے پاس ادب سے بیٹھیں، آپس میں پیر بھائی مرشد کریم کی موجودگی میں باتیں نہ کریں اور نہ آپس میں مصافحہ وغیرہ کریں۔ (۵)۔ مرشد کریم کے سامنے وظیفہ نہ کریں نہ ہی نوافل پڑھیں بلکہ یہ وقت مرشد کریم کی صورت کو دیکھتے رہنے میں گزاریں، مرشد کریم کی صحبت کو غنیمت جانیں۔ (۶)۔ مرشد کریم کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائیں خواہ مرشد کریم موجود نہ ہوں، نہ ہی اس طرف تھوکیں، مرشد کریم کے جسم پر مرید کا سایہ نہ پڑے، مرشد کریم کا ہاتھ روم استعمال نہ کریں۔ (۷)۔ مرشد کریم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے فہم کا قصور سمجھیں اور قصہ سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کو یاد کر لیں، مرشد کریم پر کبھی اعتراض نہ کریں خواہ مرشد کریم کا کوئی کام بظاہر غلط معلوم ہوتا ہو، مرشد کریم کی خطا مرید کی نیکی سے بہتر ہے۔ (۸)۔ اپنے مرشد کریم کی تعلیمات پیر بھائیوں تک پہنچائیں، مگر ان کی سمجھ سے بالاتر بات نہ کریں۔ (۹)۔ اپنا حال (خواب و مراقبہ وغیرہ) اپنے مرشد کریم سے عرض کریں۔ (۱۰)۔ اپنے مرشد کریم سے خواہ مخواہ سوال نہ کریں البتہ اگر مرشد کریم سوالات کرنے کی اجازت دیں تو کوئی حرج نہیں، لمبا کلام نہ کریں، دھیمی آواز میں بات کریں، طریقت کی راہ پر استقامت اختیار کریں خواہ کچھ ملے یا نہ ملے، مرشد کریم، رسول کریم ﷺ اور اللہ کریم جل شانہ کا در نہ چھوڑیں۔ (۱۱)۔ اگر مرشد کریم ناراض ہو جائیں تو انہیں راضی کیے بغیر مرید کو چین نہ آئے، فوراً معافی کا طلب گار ہو، خواہ ناراضگی کا سبب مرید کے

نزدیک معقول نہ ہو۔

اپنے ذاتی اسباق اور وظائف کی پابندی

اپنے مرشد کریم کی طرف سے ملنے والے ہر سبق کی پابندی کرنی چاہیے۔ تمام اذکار و مراقبات کو مکمل کیے بغیر دم نہیں لینا چاہیے۔ فقیر پر لازم ہے کہ مہمان، بیوی بچے، کوئی بھی مصروفیت حتیٰ کہ بیماری بھی اس کے معمولات میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ ہاں اگر خدا نخواستہ بالکل ہی بس میں نہ رہے مثلاً بے ہوشی وغیرہ ہو جائے تو یہ ایک الگ چیز ہے۔

ذیل میں حضرت سیدنا پیر سائیں رشید الدین قدس سرہ العزیز کی کتاب ”صراط الطالبین“ کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے، جس میں سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ راشدیہ کے اذکار و افکار اس طریقے سے بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے والے مرتبہ کمال کو پہنچے ہیں۔

خلاصہ کتاب صراط الطالبین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمَنًا بَعْدُ!

پہلا سبق : مغرب کے بعد دو نفل پڑھ کر گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص بمعہ بسم اللہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور غوث اعظم قدس سرہ کو پیش کیا جائے۔ اس کے بعد چار تسبیح ذکر کیا جائے۔ پہلی تسبیح لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اس طرح کہ لا الہ کے ساتھ دل میں سے ہر غیر کی نفی سیدھے کندھے کی طرف کر دی جائے اور لا اللہ کے ساتھ ایک اللہ کا اثبات سیدھے کندھے سے دل کی طرف کیا جائے اور دل پر ضرب لگائی جائے۔ آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا جائے۔ دوسری تسبیح لا اللہ تیسری تسبیح اللہ ہو۔ چوتھی تسبیح ہو۔ مرشد کا تصور مضبوط رکھا جائے۔

دوسرا سبق، يَا اللَّهُ يَا هُوَ : اس طرح پڑھیں کہ یا اللہ کو قلب سے اٹھا کر سیدھے کندھے پر

ضرب دیں اور یا ہو کو سیدھے کندھے سے اٹھا کر قلب پر ضرب کریں۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح اور عشاء کے بعد پانچ تسبیح۔

تیسرا سبق، پاس انفاس: سانس اندر جائے تو اللہ اور باہر آئے تو ہو۔

چوتھا سبق، لطائف ستہ: جسم میں چھ لطائف ہیں۔ ناف سے دو انگلی نیچے نفسی لطیفہ، سینے میں بائیں طرف قلبی لطیفہ، سینے کے درمیان سری لطیفہ، دائیں طرف روحی لطیفہ، ماتھے میں خفی لطیفہ اور تالو میں انہی لطیفہ ہے۔ نفسی پر سانس روک کر ۲۱ مرتبہ اللہ اللہ کی ضرب لگائیں اور پھر ہر لطیفے پر نئی سانس لے کر ۲۱ مرتبہ ضرب لگائیں۔ اس کے بعد ہر لطیفے پر ایک ایک مرتبہ اللہ کی ضرب لگائیں، یہ ایک مرتبہ ہوا۔ اب اس طرح ۲۱ مرتبہ پورا کریں۔ ہمت والا فقیر اس سے زیادہ تعداد میں پڑھے تو بہت اچھا ہے۔

پانچواں سبق، سلطان الاذکار: اللہ کو نفسی لطیفہ سے اٹھا کر سری، خفی اور انہی سے گزار کر لا ہوت لا مکاں تک پہنچائیں۔ وہاں سے ہو کو اپنے سر پر بھرے ہوئے منکے کی طرح انڈیل دیں اور اس کا اثر پورے جسم میں جانے دیں۔ یہ ذکر خیال اور سانس کے ساتھ کریں۔ ۲۱ مرتبہ ذکر کریں۔

چھٹا سبق: مغرب کے بعد بیٹھ کر سانس روک کر خیال کے ساتھ لا کو نفسی لطیفہ سے اٹھا کر سری، خفی اور انہی سے گزار کر لا ہوت لا مکاں تک پہنچائیں اور وہاں سے الہ کو سیدھے کندھے پر لائیں اور سیدھے کندھے سے الا اللہ کو روحی، سری سے گزار کر قلب پر ضرب کریں۔ یہ ذکر ۲۱ مرتبہ کریں۔ ہمت کم ہو تو کئی مرتبہ سانس لے کر ۲۱ کا عدد پورا کریں۔ جب سانس ٹوٹ جائے تو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے دایاں ناک بند کریں اور بائیں طرف سے سانس خارج کر کے پڑھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ مَقْضُوْدِيْ وَرِضَاكَ مَطْلُوْبِيْ یعنی اے اللہ تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری رضا میرا مطلوب ہے۔

ساتواں سبق، صدائے مطلق: دونوں کان شہادت کی انگلیوں سے بند کر کے ان میں سے چرچہ کی آواز پر توجہ دیں۔ یہ آواز ترقی کرے گی۔ بھنہناہٹ، پھر گھنٹی پھر بانسری اور پھر سمجھ سے بالاتر مست کر دینے والی آواز آئے گی۔ اس آواز کو صوتِ سرمدی بھی کہتے ہیں۔

پہلا فکر، حجرِ مدر: حجر سے مراد پتھر ہے اور مدر سے مراد ڈھیلہ ہے۔ طالب خود کو پتھر اور ڈھیلے کی طرح بے جان سمجھے اور اپنے تمام معاملات اللہ کریم کے سپرد کر دے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُوَدُّواْ الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا

دوسرا فکر، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ: طالب کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ کریم کو اپنے ساتھ جانے، خصوصاً عشاء کی نماز اور تہجد کے وقت الگ بیٹھ کر یہی تصور رکھے۔ نقشبندی حضرات اس طرح کرتے ہیں اللّٰهُ حَاضِرِی، اللّٰهُ نَاطِرِی، اللّٰهُ مَعِی

تیسرا فکر، فَنَافِی الصِّفَات: ان سات صفات کی خود سے نفی کرے اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ میں اسی کے سنوانے سے سنا ہوں، دکھانے سے دیکھتا ہوں وغیرہ، سَمِیع، بَصِیْر، عَلِیْم، مُرِید، قَدِیْر، کَلِیْم، حَیّ

چوتھا فکر، فَنَافِی الْوُجُوْدِ وَالْاَفَاقِ: طالب کو چاہیے کہ ہر چیز کی حقیقت پر غور کرے۔ مثلاً بظاہر دیکھنے میں درخت ہے مگر جب غور کرو گے تو نظر جا کر اس کے بیج اور گٹھلی پر پڑے گی۔ اسی طرح جب خوب غور کرو گے تو ہر جگہ محبوب دیکھنے میں آئے گا۔ فَاَیْنَمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ

پانچواں فکر، ہرچہ ہست ہمہ اوست: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِیْم

چھٹا فکر، اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُوْرِهِ كَمِشْكُوٰةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ

الآیۃ: طالب کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے قلب کے ساتھ اپنے مشائخ سلسلہ کے قلوب کو جڑا ہوا دیکھے اور آخر میں اپنے شیخ کے قلب کے ساتھ اپنے قلب کو جڑا ہوا دیکھے اور یہ سمجھے کہ مخزن نور حقیقی سے نور پھوٹنا اور میرے مشائخ کے واسطے سے مجھ تک پہنچنا۔

ساتواں فکر، اِنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْيِ وَقَلْبِهٖ: یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ بے حجاب میرے قریب ہے۔ ظاہر باطن دائیں بائیں حتیٰ کہ سانس سے زیادہ وہی قریب ہے۔

آٹھواں فکر، كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ: طالب صبح شام یہ فکر کرے کہ اللہ پاک کے سواء ہر چیز فانی ہے۔ جس چیز پر بھی نظر ڈالے، اگلے لمحہ اسے فانی سمجھ کر اس سے منہ موڑ لے۔

نواں فکر، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ: طالب یہ سوچے کہ نیکی کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی توفیق اللہ کریم کی طرف سے ہے ورنہ میں تو وہی ہوں جو مر جاؤں گا تو اپنے سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا اور اپنے کسی پیارے کے آنسو تک نہیں پونچھ سکتا۔

دسواں فکر، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ الْاَبَدِ (آل عمران: ۲۶): طالب غور کرے کہ عرش سے لے کر تخت الثریٰ تک ہر چیز کا مالک اللہ کریم ہے۔ وہ چاہے تو نیچے کو اوپر کر دے اور اگر چاہے تو اوپر کو نیچے کر دے۔

گیارہواں فکر، ننانوے اسم آء کے تعلق، تخلق اور تعبد میں: طالب کو چاہیے کہ اللہ پاک جل شانہ کے ننانوے نام یاد کرے۔ تعلق یہ ہے کہ ہر صفت کو طالب اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھے۔ تخلق یہ ہے کہ ہر صفت کو اپنے اندر جلوہ گرد دیکھے اور تعبد یہ ہے کہ ہر صفت کو دوبارہ اللہ کریم کے سپرد کر دے۔ تعلق ولایت صغریٰ ہے، تخلق ولایت وسطیٰ ہے اور تعبد ولایت کبریٰ ہے۔ ہر اسم پر اسی طرح محنت کرے۔

بارہواں فکر، تصورِ برزخِ صغریٰ یعنی فنا فی الشیخ: طالب کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی مکمل پیروی کرے اور اپنے تمام معاملات کو اپنے شیخ کے سپرد کر دے۔ اَلْمُرِيدُ كَالْمَيِّتِ وَالشَّيْخُ كَالْعَاقِلِ۔

تیرہواں فکر، تصورِ برزخِ کبریٰ یعنی فنا فی الرسول: طالب کو چاہیے کہ مکمل اتباع سنت کرے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ چودہواں فکر، فنا فی اللہ: اس تصور سے قبل سیر الی اللہ تھا۔ یہ سیر فی اللہ ہے۔ سیر فی اللہ لا محدود اور عمیق ہے۔ اس میں محبوب کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھنا ضروری ہے۔

وہ لیلیٰ جو مجنی لاء ماکی کان منو یعنی لیلیٰ کا دیا ہوا زہر مجنوں کے لیے شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

پندرہواں فکر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چار یار کی مجلس: طالب کو چاہیے کہ خلوت میں بیٹھ کر لطیفہ اخفی میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خفی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، روجی میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سری میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور قلبی میں مولا مشکل کشا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نور کا تصور کرے اور ان ہستیوں کی مجلس سے فیض حاصل کرے۔

سولہواں فکر، پنج تن پاک کی مجلس: لطیفہ اخفی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خفی میں حضرت بی بی سیدۃ النسا رضی اللہ عنہا، سری میں حضرت مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، روجی میں سیدنا امام حسن اور قلبی میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نور کے فکر میں مشغول ہو اور ان ہستیوں سے فیض حاصل کرے۔

سترہواں فکر، اولوالعزم انبیاء کرام کی مجلس: یہ فکر اس نیت سے کرے کہ الہی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا فیض مشائخ کرام کے واسطے سے اس عاجز کے قلب پر منکشف فرما۔ یہ فکر لطیفہ قلبی سے شروع کرے۔ یہ لطیفہ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، روجی

لطیفہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا نوح علیہما السلام کے قدم کے نیچے ہے، سری لطیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، خفی لطیفہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے اور اخفی لطیفہ سیدنا تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم کے نیچے ہے۔

اٹھارواں فکر، اربعہ عناصر: اللہ کریم نے ہر چیز کو آگ پانی ہوا مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ خلوت میں بیٹھ کر اس طرح فکر کرے اور زبان سے کہے۔ جو کچھ ہے پانی ہے، جو کچھ ہے مٹی ہے، جو کچھ ہے ہوا ہے، جو کچھ ہے آگ ہے۔ اس کے بعد کہے جو کچھ ہے نور ہے۔ پھر اس ترتیب کو الٹ دے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر مٹی کا ظہور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر پانی کا، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا کا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آگ کا اور حضور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نور کا۔ جس کے سبب آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

انیسواں فکر، عالم خلق اور عالم امر: عالم دو ہیں۔ عالم خلق اور عالم امر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ عالم امر عرش سے اوپر اوپر ہے جس کا راز اللہ کریم کو معلوم ہے۔ اور عالم خلق عرش سے نیچے سے لے کر تختِ الشریٰ تک ہے۔

انسانی جسم میں عالم امر سے مراد قلبی، روحی، سری، خفی اور اخفی لطائف ہیں۔ اور عالم خلق سے مراد نفسی لطیفہ اور اربعہ عناصر ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ صبح شام خلوت میں بیٹھ کر ان دونوں عالموں کی طرف متوجہ ہو اور اللہ کریم جل شانہ کی صفات کا مشاہدہ کرے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ الْخَلَّاقِ

سالک کی پٹری

فقیر کے لیے تین چیزیں اس کی طریقت چلانے کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱) ذکر (۲) فکر (۳) سگت اور صحبت

(۱) ذکر

ذکر کا لفظی معنی ہے یاد کرنا۔ ذکر کے بارے میں بے شمار قرآنی آیات وارد ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے (العنکبوت: ۲۵)۔ نیز ”فَاذْكُرُونِي اذْكُرْكُمْ“ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (البقرہ: ۱۵۲)۔

یہ ایک عظیم اعزاز ہے جو ذکر کرنے والے کو اللہ کریم نے بخشا ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ جس طرح انسان اس کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ، اللہ، اللہ کرتا رہتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کسی کے نام کی تسبیحات نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ:

تم میرا ذکر کرو میں تمہاری مغفرت کروں گا، تم مجھے آسانی کے وقت یاد رکھو میں تمہیں مشکل کے وقت یاد رکھوں گا، تم مجھے دل میں یاد کرو میں تمہیں تنہائی میں یاد کروں گا، تم مجھے محفل میں یاد کرو میں تمہیں اس سے بہتر محفل میں یاد کروں گا، تم میری طرف چل کر آؤ میں تمہاری طرف اپنی شان کے لائق دوڑ کر آؤں گا (بغوی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸-۱۲۹)۔

یہ ہے فاذا کرونی اذکرکم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

اسی طرح قرآن پاک میں بے شمار آیات موجود ہیں۔ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹ کر۔ یعنی ہر حالت میں میرے بندے میرا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: اذکروا اللہ ذکراً کثیراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو (احزاب: ۴۱)۔

سورۃ مزمل میں آتا ہے کہ: واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاً یعنی اپنے رب کا نام لے اور ہر چیز کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جا (مزمل: ۸)۔ اللہ کا ذکر کرنے کا انداز بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر سرسری نہ کر۔ ہر چیز سے ٹوٹ جا اور محض اللہ سے جڑ جا۔ اس طریقے سے اللہ کا ذکر کر۔

حدیث شریف میں ہے کہ: اذکروا اللہ حتی یقولوا مجنون یعنی اللہ کا ذکر اس طرح کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں (مسند احمد)۔

اس حدیث میں ”لوگ تمہیں پاگل کہیں“ کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کا ذکر اس

قدر فریفتگی، دیوانگی اور از خود فرستگی کے عالم میں کرنا چاہیے کہ دیکھنے والے کو آپ دیوانے محسوس ہونے لگیں۔ مقصد یہ ہے کہ انتہا درجے کی کثرت اور محویت سے ذکر کرو تا کہ تم کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو سکو۔ اللہ کا ذکر خود تمہیں اپنی طرف کھینچے، کسی دوسری طرف تمہارا دھیان ہی نہ جائے اور دیکھنے والے کو آپ کی بے توجہی کی وجہ سے ایسا لگے کہ یہ شخص عقل سے ہی عاری ہے، اس کے حواس درست نہیں اور یہ کہیں کھو چکا ہے۔

اس حدیث کا واضح اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ کا ذکر اونچی آواز سے کرنا جائز ہے کیونکہ جب ذکر بلند آواز سے کیا جائے گا تب ہی سننے والے کو سنائی دے گا، اور وہ ذکر کرنے والے کو پاگل کہے گا۔ پتا چلا کہ اس حدیث میں جس ذکر کی بات ہو رہی ہے وہ بلند آواز سے ذکر ہے جسے ذکر بالجہر کہتے ہیں۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لا تقوم الساعة علی احد یقول اللہ اللہ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہوگا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۴)۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک بندہ بھی اللہ کا ذکر کرنے والا موجود ہے تو اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت کتنی سخت چیز ہے، اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، اس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا، اس کی تاب کوئی نہیں لاسکتا لیکن اللہ کا ذکر ایسی طاقت رکھتا ہے کہ اس کی برکت سے قیامت رکی ہوئی ہے اور دنیا کو ویران نہیں ہونے دے رہا۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشی اتشبت بہ قال لا یزال لسانک رطباً من ذکر اللہ یعنی ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ آپ مجھے مختصر سی بات بتادیں۔ فرمایا تیری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اذا مررتم برباض الجنة فارتعوا منها قالوا ما رباض الجنة قال حلق الذکر یعنی جب تم جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو ان میں سے چر لیا کرو۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت کے باغیچوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ذکر کے حلقے (ترمذی

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال سے افضل ہو، تمہارے مالک کو سب سے زیادہ پسند ہو اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہو اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی خیرات کرنے سے بہتر ہو، کفار کی گردنیں کاٹنے اور ان سے اپنی گردنیں کٹوانے سے بھی افضل ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ حضور بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)۔

یہ بات سرسری اور محض ترغیبی مت سمجھیں کہ میدان جنگ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے اور کافروں کو مارنے سے اللہ کے ذکر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ تلوار اور بندوق کے ساتھ جہاد کرنا تو بہت مشکل ہوتا ہے اور ایک کونے میں بیٹھ کر تسبیح کے ساتھ اللہ اللہ کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ محض ذکر کرنے کو نبی کریم ﷺ نے جہاد سے افضل کیوں قرار دیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر نفس کے خلاف جہاد ہوتا ہے اور اس سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور جو جہاد میدان جنگ میں کیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے اس کے مجاہد کی نیت ٹھیک نہ ہو اور وہ محض دکھاوے کے لیے جہاد کر رہا ہو۔ لیکن اگر نفس کی اصلاح ہوگئی، اندر بیٹھ کر، اللہ اللہ کی تسبیحات پڑھ کر ذکر، فکر اور مراقبہ کر کے اس کا باطن درست ہو گیا تو اب اس کے بعد اگر وہ جہاد کرنے جائے گا تو اب اس کا جہاد صحیح معنی میں جہاد ہوگا۔ نیت ٹھیک ہو چکی ہوگی۔ گویا اللہ کا ذکر بنیادی خرابی کو ٹھیک کرنے کا کام دیتا ہے۔ اور اس خرابی کے ہوتے ہوئے اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جہاد رایگاں جائے گا۔ اسی لیے نفس کے خلاف جہاد کو نبی کریم ﷺ نے جہاد اکبر قرار دیا ہے (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۸۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص سے پوچھے گا، تم نے کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا باری تعالیٰ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور جہاد کرتے کرتے شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ تم نے جو چاہا تھا وہ تمہیں مل چکا۔ اب میرے ہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ پھر اس شخص کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم

میں گرا دیا جائے گا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ذکر کو جہاد پر ترجیح دی ہے اور اس کو اولیٰ یعنی بہتر چیز قرار دیا ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ذکر کرتے کرتے کچھ مراحل اور کچھ منزلیں ایسی آتی ہیں کہ جب انسان وہاں پر پہنچتا ہے تو اس وقت واقعی اس کو پتا چلتا ہے کہ میدانِ جنگ میں جا کر جہاد کرنے سے ذکر کرنا افضل تھا۔ لیکن یہ بات اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان پر وہ کیفیت، حالت اور وقت طاری ہوتا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو وہ منزل دکھائے، اس مقام پر لے جائے جب انسان پر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ اللہ کا ذکر جہادِ بالسیف سے بہتر ہے۔

جب کسی طالب کو بیعت کی طرف راغب کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ بیعت ہو جاؤ یا یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ذکر لے لو۔ یعنی ذکر لے لینا یا بیعت ہو جانا ایک ہی بات ہے۔ یہاں سے سمجھ لیجیے کہ ذکر کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ ذکر لے لینا گویا بیعت کر لینا ہے۔

اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ محبوب کریم ﷺ صحابہ کرام کو ذکر ہی دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا یہاں کوئی اہل کتاب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کر دو۔ ہاتھ اٹھاؤ اور سب کہو لا الہ الا اللہ۔ صحابہ کرام نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لا الہ الا اللہ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اسی کو آگے پہنچانے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تم سب کو بخشش کی خوشخبری ہو۔

غور کریں! غیروں کو نکلوا دینے اور دروازہ بند کر دینے سے کیا مطلب ہے؟ لا الہ الا اللہ ہی بتانا تھا تو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ کوئی غیر تو نہیں ہے۔ کیا ضرورت تھی فرمانے کی کہ دروازہ بندہ کر دو۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے طریقت کا ایک نکتہ ہے کہ غیروں کو بیچ میں سے نکال دیا جائے، اندھیرا کر لیا جائے اور آنکھیں بند کر لی جائیں۔ غیر آدمی کے قلب پر

سیاہی ہو تو وہ اتنی آفت ہوتا ہے کہ اس کی نحوست کی وجہ سے دوسروں کا فیض بھی رک جاتا ہے۔ محفل میں کبھی ایک بندہ ایسا بھی آ جاتا ہے کہ بھری محفل اس بندے کی نحوست کی وجہ سے بے کیف اور بے رونق ہو جاتی ہے۔ ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ ایسا آ جاتا ہے کہ اس کے نصیب کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے اس تک پہنچانا ہوتی ہے تو مرشد کا سینہ اتنا کھل جاتا ہے کہ اس دن وہ فیض کے دریا بہا دیتا ہے اور سب کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ فقیر کے اپنے بس میں نہیں ہوتا بلکہ پیچھے سے کرم کی بات ہوتی ہے۔ نصیب والے کا نصیب اس تک پہنچنا ہوتا ہے، اس لیے مرشد کا سینہ اس دن کھول دیا جاتا ہے۔

(۲)۔ فکر

فکر سے مراد اپنی سوچ کو اللہ کی طرف لگا دینا ہے، مختلف فقراء کے لیے فکر بھی مختلف ہوتے ہیں مگر عام طور پر سوچ کو اللہ کی طرف لگانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ مرشد کا تصور رکھا جائے۔ زبان پر ذکر جاری ہو اور خیال میں مرشد کی صورت بسی ہوئی ہو۔ اس دھیان اور خیال کو مضبوط رکھنے کو فکر کہتے ہیں۔

قرآن شریف میں اللہ کریم جل شانہ نے محبوب کریم ﷺ سے فرمایا واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عينك عنهم یعنی اے محبوب خود جا کر ان لوگوں کے پاس بیٹھا کیجیے جو صبح، شام اللہ کا ذکر کرتے ہیں، وہ اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی نظریں ان کے چہرے سے مت ہٹایا کریں (الکہف: ۲۸)۔ یہ اصحاب صفہ کی بات ہو رہی ہے اصحاب صفہ چاہتے تھے کہ ہمارے پاس محبوب کریم ﷺ بیٹھیں لیکن محبوب کریم ﷺ کے پاس دینی مصروفیات کی وجہ سے اتنا وقت نہیں ہوتا تھا۔ اللہ کریم جل شانہ نے پہلے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ میرے محبوب کچھ لوگ صفہ پر بیٹھے ہیں جو اللہ کے دیدار کے متلاشی ہیں اور منتظر ہیں۔ پھر حکم فرمایا کہ اے محبوب آپ جا کر ان کے پاس بیٹھا کریں اور اپنی نظریں ان کے چہروں سے نہ ہٹایا کریں۔ نظریں نہ ہٹانے سے مراد رغبت اور محبت بھی ہو سکتی ہے اور نظریں نہ ہٹانے سے مراد ان کے چہروں کو دیکھتے رہنا بھی ہو سکتی ہے۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ

اولیاء کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر تین دور آئے ہیں۔ ایک دور وہ تھا جب میں نبی کریمؐ کا دشمن تھا، اگر میں اس وقت مرجاتا تو میں سیدھا جہنمی تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میں مسلمان ہو گیا اور پھر میں نبی کریمؐ کے پاس حاضر ہو گیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا عمرو تجھے کیا ہو گیا ہے؟ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک شرط ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کا اعلان فرما دیجیے۔ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جب انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو پہلی خطائیں ساری معاف ہو جاتی ہیں، جب ہجرت کرتا ہے تو خطائیں معاف ہو جاتی ہیں، جب حج کرتا ہے تو خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ گویا حضرت عمرو ابن عاصؓ کی بخشش اور مغفرت کا اعلان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حضور کی اتنی زیادہ محبت پیدا ہو گئی کہ میں محبت اور ادب کی وجہ سے حضور کریمؐ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکتا تھا، میں نے کبھی غور سے نگاہ جما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا ہی نہیں تھا اور مجھ سے کوئی پوچھ لیتا کہ حضور کا حلیہ بیان کرو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں اس حال میں فوت ہو جاتا تو سیدھا جہنمی تھا۔ پھر تیسرا وقت آیا کہ ہمیں کچھ امور سونپ دیے گئے، کچھ حکومتیں سونپ دی گئیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ مجھے پبلک ڈیکنگ سے ڈر لگتا ہے کہ پتہ نہیں میری بخشش ہوگی یا نہیں (مسلم جلد ۷ صفحہ ۷۶)۔

اس حدیث میں حضرت عمرو ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اگر کوئی پوچھتا کہ حضور کا حلیہ بتاؤ تو میں نہیں بتا سکتا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام آپس میں بیٹھا کرتے تھے، نبی کریمؐ کی باتیں کرتے تھے اور آپؐ کا حلیہ مبارک ایک دوسرے سے پوچھا اور بتایا کرتے تھے۔ صورت کی باتیں ہوتی تھیں۔

آخری دنوں میں محبوب کریم ﷺ کو تکلیف تھی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھاتے تھے۔ سوموار کے دن لوگ نماز میں کھڑے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ ہم سب لوگ بھی عین نماز میں نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور قرآن کے ورق کی طرح تھا کَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةٌ مُّصْحَفٍ۔ پھر آپ مسکرائے اور ہمیں خیال آنے لگا کہ کہیں ہم حضور کے دیدار کی خوشی کی وجہ سے نمازیں نہ توڑ بیٹھیں۔ ابو بکر اپنی ایڑیوں کے بل مصلائے امامت سے پیچھے ہٹے کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز میں تشریف لانے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پردہ گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ کا وصال ہو گیا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۹، بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۳)۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سرخ چادر اوڑھ کر آرام فرما رہے تھے، چادر چہرہ انور سے ہٹی ہوئی تھی، چاند بھی نکلا ہوا تھا، میں ایک نظر رخ انور کی طرف دیکھتا اور ایک نظر چاند کی طرف دیکھتا تھا، میں نے دیکھا کہ حضور کریم ﷺ کا چہرہ انور چاند سے زیادہ حسین تھا (شمائل ترمذی صفحہ ۲)۔

ایک آدمی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکدار تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح چمکدار تھا لا، بل مثل القمر (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۲)۔

نبی کریم ﷺ کے حلیے کو صحابہ کرام نے اتنا یاد رکھا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے سر مبارک سے لے کر پاؤں مبارک تک سارا حلیہ حدیث شریف کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے بال مبارک ایسے تھے، کان مبارک ایسے تھے، ابرو مبارک ایسے تھے، ناک مبارک ایسی تھی، ہونٹ مبارک ایسے تھے، دانت مبارک ایسے تھے، ہاتھ مبارک، سینہ اقدس، بال اور پیر مبارک، ناخن تک بتا دیے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے گن کر بتا دیا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے سر مبارک میں تیرہ بال سفید تھے اور داڑھی مبارک میں چار بال سفید تھے۔ اتنی باریکیوں

میں کون جاتا ہے۔ وہی جاتا ہے جس نے حلیہ مصطفیٰ کو یاد رکھنے کا تہیہ کر لیا ہو، جس نے صورت مصطفیٰ کو حفظ کر لینے اور دل میں رکھنے اور سینے کے اندر جمائے کا تہیہ کر لیا ہو، جسکے دل کے اندر صورت مصطفیٰ بستی ہو اور جنہوں نے صورت مصطفیٰ کو اپنا دین سمجھ لیا ہو، اور یہی حق ہے۔ صورت مصطفیٰ کو دیکھنے والا ہی صحابی ہوتا ہے، اسکے علاوہ دنیا کا کوئی اور آدمی صحابیت کے مرتبے پر نہیں پہنچ سکتا۔ صورت کے اندر ہی یہ راز ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں اس صورت کو دیکھ لیا وہ صحابی بن گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن مسعود سے زیادہ کسی بندے کو نہیں جانتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مطابق ہو۔ فرماتے ہیں بات ان کی حضور جیسی ہوتی تھی، کام ان کا حضور جیسا ہوتا تھا، ادائیں اور سائل ان کے حضور جیسے ہوتے تھے۔ ان کو دیکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تصویر نظر آ جاتی تھی۔ گویا جس نے سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو وہ عبد اللہ ابن مسعود کو دیکھ لے۔ یہ صرف ایک صحابی کی بات ہے کہ تمام صحابہ میں یہ بندہ سب سے زیادہ حضور سے مشابہت رکھتا تھا۔ یہ سب سے زیادہ کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ سارے ہی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اب کامیاب کوئی کس قدر ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن مسعود کو میں نے سب سے کامیاب دیکھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تصویر بنے رہتے تھے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں موجود ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے قول، فعل، اداؤں، اعمال اور طریقہ کار میں سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہا حضور کے بالکل مشابہ ہوتی تھیں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)۔

حضرت حذیفہ فرما رہے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن مسعود سے بڑھ کر کسی بندے کو نہیں جانتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مطابق ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ فرما رہی ہیں کہ میں نے شہزادی رسول سے بڑھ کر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ پتا چل گیا کہ اپنا اپنا تجربہ ہے اور اپنا اپنا مشاہدہ ہے ورنہ غلامانِ مصطفیٰ ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔

یہ نبی کریم ﷺ کے تصور، پیروی اور آپ ﷺ کی صورت مبارک کو یاد رکھنے کی بات تھی۔ حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ذال ذکر کنوں کر فکر گھنیرا یہ لفظ تکھا تلواروں ہو
ذاکرا وہی جہڑے فکر کماون ہک پل نہ فارغ یاروں ہو
کڈھن آہیں تے جان جلاون فکر کرن اسراروں ہو
فکر دا پھٹیا کوئی نہ جیوے باہو پٹے مڈھ پہاڑوں ہو

(۳)۔ صحبت

تیسری چیز ہے صحبت، سنگت، صالحین کے پاس آکر بیٹھنا، مرشد کے پاس بیٹھنا، پیر بھائیوں کے پاس بیٹھنا۔

جب کوئی پودا لگایا جائے تو پودے کا لگ جانا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کی گوڈی بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کو پانی بھی دینا پڑتا ہے۔ ذکر کی مثال ایسے ہے جیسے آپ نے پودا لگا دیا ہے، فکر کی مثال ایسے ہے جیسے آپ اس کو گوڈی کر رہے ہیں اور پیر بھائیوں کی صحبت ایسے ہے جیسے آپ اس کو پانی دے رہے ہیں۔ یہ تینوں چیزیں مکمل ہوں گی تو اب الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو والی بات سمجھ میں آئے گی۔ اب یہ چنبے کی بوٹی اُگے گی، بڑھے گی، پھولے گی، اپنے اثرات دکھائے گی بشرطیکہ یہ تینوں چیزیں اسے مکمل طور پر فراہم ہوتی رہیں۔ بوٹی لگانا بھی ضروری ہے، اس کی گوڈی کرنا بھی ضروری ہے اور اس کو پانی دینا بھی ضروری ہے۔

صحبت اتنی ضروری ہے کہ صحابی صحبت سے ہی بنا ہے۔ جو صحبت رسول میں بیٹھا وہ صحابی بن گیا۔ صحبت اتنی اہمیت کی حامل ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ حکم دے رہا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس آپ جا کر بیٹھا کیجیے، ان کی سنگت میں بیٹھا کیجیے۔ اس سے حضور کو فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ حضور کریم ﷺ نے جن کے پاس جا کر بیٹھنا تھا ان کو فیض میسر آتا تھا، ان کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اس لیے اللہ کریم جل شانہ نے ان کے فائدے کے پیش نظر اپنے محبوب کو حکم دیا کہ آپ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس ان کو فیض فراہم کرنے کے لیے بیٹھا کریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو فرشتے اس محفل ذکر کو آکر ڈھانپ لیتے ہیں پھر جب وہ آسمانوں میں واپس جاتے ہیں تو اللہ کریم جل شانہ ان سے پوچھتا ہے کہ کہاں گئے تھے اور کیا دیکھا۔ وہ بتاتے ہیں ہم زمین پر گئے تھے، ہم نے دیکھا آپ کے بندے آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ وہ کیا چاہتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کی جنت چاہتے تھے۔ آپ کے عذاب سے بچنا چاہتے تھے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ میری جنت انہوں نے دیکھی ہے۔ میری دوزخ انہوں نے دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں۔ فرمایا ان دیکھے اتنی محبت۔ فرشتے کہتے ہیں جی۔ اللہ فرماتا ہے گواہ ہو جاؤ میں نے ان سب کو بخش دیا۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان میں ایک بندہ ایسا تھا جو ذکر کرنے کی نیت سے نہیں گیا تھا وہ کسی کام سے گیا تھا وہاں جا کر بیٹھنا پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں ہوتا گواہ ہو جاؤ میں نے اس بندے کو بھی بخش دیا (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندہ کسی اللہ کے بندے کی زیارت کی خاطر اپنے گھر سے چل پڑتا ہے، محض اس کو جا کر ملنا چاہتا ہے اور اسے راستے میں کوئی اور کام بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کا فرشتہ اس کو انسان کی شکل میں ملتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتا ہے میں فلاں بندے سے ملنے جا رہے ہوں۔ تو فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے اس سے کوئی غرض ہے؟ وہ کہتا ہے نہیں، میں صرف اللہ کی خاطر اس کی زیارت کرنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ نے تیرے لیے پیغام بھیجا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ محض اس لیے کہ تو میرے بندے سے میری خاطر محبت کرتا ہے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)۔

غور کریں اس حدیث میں اتنی دلچسپ بات ہے گویا جس بندے سے وہ ملنے جا رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ کا نیک بندہ ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس بندے کا خیال ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے، وہ اللہ کی خاطر اس سے ملنے چل پڑا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کو بخشش کا پروانہ نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ تجھے کیا پڑی ہے کسی کے بارے میں غورو

خوض کرنے کی کہ وہ بندہ کیسا ہے تو کسی کے بارے میں کیا سوچتا ہے، تجھے اپنے نفس کے بارے میں بدگمانی سے اور دوسروں کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔ اچھی سوچ رکھ اور گھر سے اس کی زیارت کے لیے چل پڑ، اگر وہ آدمی برا بھی ہے تو تیری نیت تیرا بیڑا پار کر دے گی اور تیرا فائدہ ہو جائے گا۔ کون ہے اس زمانے میں جو معصوم ہے، معصوم تو انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے اور اب ختم نبوت کے بعد انبیاء کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ تو کس معصوم کی تلاش میں ہے؟ کسی میں کوئی خطا ہوگی، کسی میں کوئی خطا ہوگی۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں۔ یہ انبیاء نہیں بلکہ عام انسان ہیں اور یہ خطا کار ہوتے ہیں۔ لہذا حسن ظن سے کام لیتے ہوئے کسی کے پاس چلے جانا کسی کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرنا یہ انسان کی بخشش کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اچھی محفل کی مثال ایسے ہے کہ جیسے عطار ہو۔ یا وہ تمہیں خوشبو تحفے میں دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا کم از کم خوشبو تم تک پہنچ جائے گی اور بری محفل کی مثال ایسے ہے جیسے کونکوں کو پھونک مارنے والا ہو۔ یا وہ تیرے کپڑے جلائے گا یا گندی بدبو تجھ تک پہنچ جائے گی (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من ینخالل یعنی آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے، غور کر لیا کرو کہ تمہارا اٹھنا، بیٹھنا کن لوگوں میں ہے (احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲)۔ جن لوگوں میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہو گا تم انہیں کے مذہب پر ہو، جن سے تمہیں محبت ہے تم ان کے مذہب پر ہو، جن کے ساتھ تمہاری سنگت ہے، جس کے ساتھ تمہارے تعلقات ہیں، جن کو تم نے دل دے دیا ہے تم ان کے مذہب پر ہو۔ بے شک انسان بظاہر کلمہ پڑھتا رہے لیکن اگر اس کے دل میں عیسائی بے ہوئے ہیں، مرزائی بے ہوئے ہیں، ان کی محبتیں بسی ہوئی ہیں تو وہ بے شک کلمہ پڑھتا رہے، اس حدیث کی روشنی میں وہ اللہ کے ہاں عیسائی اور مرزائی لکھا ہوا ہے۔

لہذا سوچ کے دوستیاں لگایا کرو، سوچ سمجھ کر اٹھا بیٹھا کرو، سوچ سمجھ کر یار بنایا کرو۔ یہ یاریاں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ صرف کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے۔ کلمے کی حقیقت اس

بندے کو نصیب ہوتی ہے جس کا بیٹھنا کلمے والوں کے پاس ہوتا ہے۔ خاص طور سے پیر بھائیوں کا آپس میں بیٹھنا، آپس میں باتیں کرنا، اس سے بہت زیادہ فیض میسر آتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں بیٹھتے تھے، آپس میں دینی مسائل پر بحث کرتے تھے۔ قرآن پر، دین پر اور حضور کریم ﷺ کی ذات مبارک پر بات کرتے تھے۔ حضور کا حلیہ مبارک ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، حضور کی ادائیں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، کوئی صحابی اگر کہیں چلے جاتے تو واپس آ کر باقی صحابہ کرام سے پوچھتے تھے کہ پیچھے حضور کریم ﷺ نے کیا باتیں کیں مجھے بتاؤ۔ بے شمار احادیث ایسی ہیں جو صحابی نے صحابی سے روایت کی ہیں کہ صحابی کہتا ہے کہ میں نے فلاں صحابی سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ حضور کریم ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو صحابہ حضور سے سنتے تھے، دوسرے صحابہ ان سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح حضور کریم ﷺ کی باتیں آپس میں ہوتی رہتی تھیں۔ صحابہ کرام پر ہر وقت یہی دھن سوار رہتی تھی کہ ہم دین کی باتیں کسی طریقے سے سن لیں، سمجھ لیں اور ان پر عمل کر لیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں ایک صحابی تھے جو حضور کریم ﷺ کی پیدائش کے سال میں پیدا ہوئے تھے لیکن حضور سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اب دوسرے صحابی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ پہلے صحابی سے پوچھتے ہیں کہ بتائیے حضور ﷺ بڑے ہیں یا آپ بڑے ہیں؟ تو ان صحابی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اکبر منی وانا اقدم منه فی المیلاد یعنی رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن پیدا میں پہلے ہوا تھا (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)۔

عام انسان اگر یہ سوچے تو یہ کام کوئی فائدہ مند چیز نہیں کہ کون پہلے پیدا ہوا اور کون بعد میں پیدا ہوا لیکن عشق والوں کے لیے یہ بڑے کام کی اور بڑے مطلب کی بات ہے۔ اس لیے کہ جب آپس میں بیٹھیں تو اپنے محبوب کی بات کریں، ان کی صورت کی باتیں کریں، ان کے حلیے کی باتیں کریں، ولادت باسعادت کی باتیں کریں۔ جس کا تعلق محبوب سے ہو وہ بات خواہ مشرق کی ہو یا مغرب کی ہو وہ عین ایمان ہے اور وہ بات عین فیض کا سبب ہے۔ صحابہ کرام کا یہی رویہ تھا، یہی

وطیرہ تھا، یہی انکو تعلیم دی جاتی تھی اور اسی پر وہ عمل کرتے تھے اور یہی راستہ وہ ہمیں عطا کر گئے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتبادلین فی یعنی جو لوگ آپس میں میری خاطر محبت کرتے ہیں، میری خاطر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے کے لیے جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے پر پیسا خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے میری محبت واجب ہے یعنی میں نے ازراہ رحمت وشفقت ان سے محبت کرنا اپنے اوپر واجب کر لیا ہے (موطا امام مالک صفحہ ۷۲۳)۔

دوپیر بھائی جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک قصاب کی دو چھریاں ہوں۔ جب وہ ایک چھری کو دوسری چھری پر مارتا ہے تو دونوں چھریاں تیز ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب دوپیر بھائی آپس میں بیٹھتے ہیں اور آپس میں دین کی بات کرتے ہیں، طریقت کی بات کرتے ہیں تو دونوں کی اصلاح ہوتی ہے دونوں چھریاں تیز ہوتی ہیں۔ بات کے دوران عین ممکن ہے دوپیر بھائیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو وہ جھگڑا بھی ان کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ایک پیر بھائی دوسرے پر تنقید کر دیتا ہے تو وہ تنقید دوسرے کے لیے بڑے فائدے کی چیز ہے، اس سے اس کا نفس مرے گا، اس کی اصلاح ہوگی۔ جو بتانے والا ہے اسے اجر ملے گا۔ یوں دین پھیلتا ہے اور یوں ایک دوسرے تک فیض پہنچتا ہے اور منتقل ہوتا ہے۔

صحبت اتنی بھاری چیز ہے، اتنی زبردست چیز ہے کہ ایک اللہ کے ولی تھے انہیں مجذوب بابا کہتے تھے۔ ان کے پاس ان کا ایک مرید اپنے کسی ساتھی کو لے گیا۔ اس کا ساتھی پیروں کو مانتا ہی نہیں تھا اور وہ اسے زبردستی لے گیا تا کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ وہاں پہنچے تو بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کے ساتھی نے اشارے کرنا شروع کر دیے کہ یہاں سے چلو اس نے کہا تھوڑی دیر بیٹھو۔ آخر اس کا ساتھی وہاں سے کھسک آیا۔ مرید دوسرے دن پھر اسے پکڑ کر

لے گیا۔ وہاں پہنچ کر پھر وہ کہنے لگا اچھا یا میں چلتا ہوں، پھر وہ نکل گیا۔ تیسرے دن وہ پھر اسے پکڑ کر لے آیا مگر تیسرے دن وہ بیٹھا تو بیٹھا ہی رہا، اٹھ ہی نہیں رہا تھا یعنی دل لگ گیا۔ بزرگ بول پڑے فرمایا بتاؤ آپ کل بھی آئے تھے اور پرسوں بھی آئے تھے کل بھی جلدی چلے گئے اور پرسوں بھی جلدی چلے گئے لیکن آج آپ جا ہی نہیں رہے ہو؟ اس بندے نے کہا کہ آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور آپ نے مجھے معاف کر بھی دیا تو آپ کے مرید تو مجھے مار ہی ڈالیں گے۔ ان بزرگوں نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اسے کچھ بھی نہیں کہنا، یہ سچ بولے گا اسے بولنے دینا۔ سب کو پہلے سمجھا دیا پھر اس سے کہا کہ اب بتاؤ۔ اس نے کہا میں پہلے دن آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ آپ کی جگہ پر خنزیر بیٹھا ہوا ہے۔ میں دوسرے دن آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہیں بیٹھے بلکہ آپ کی جگہ پر کتا بیٹھا ہوا ہے۔ آج میں تیسرے دن آیا ہوں تو آج میں نے دیکھا ہے کہ آپ انسان ہیں آپ اپنی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں کل بھی چلا گیا اور پرسوں بھی چلا گیا اور آج بیٹھا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا کہ اس نے حق کہا۔ دراصل یہ پہلے دن آیا تو یہ خود خنزیر جیسی حالت میں تھا اور ہمارے آئینے میں اسے اپنی شکل نظر آرہی تھی۔ اللہ نے اس کو خنزیر سے بہتر کر دیا اور صحبت کے اثر کی وجہ سے اسے خنزیر سے کتے تک پہنچا دیا۔ دوسرے دن اپنے آپ کو ہمارے اندر کتے کی شکل میں دیکھ لیا اور تیسرے دن آیا تو دو دن کی برکت سے اللہ کریم جل شانہ نے اسے انسانیت کے مرتبے پر پہنچا دیا۔ آج اس نے اپنے آپ کو ہمارے اندر صحیح معنی میں دیکھ لیا ہے، آج یہ انسان کے مرتبے پر پہنچ چکا ہے۔ ہم پہلے بھی وہی تھے اور آج بھی وہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ المؤمن مراء ة المؤمن یعنی مومن مومن کا آئینہ ہے۔ یہ انقلاب اس کے اپنے اندر آ رہے تھے۔ یہ محفل کی برکت ہے اور اللہ کے ولی کے پاس جا کر بیٹھنے کا فیض ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانچ چیزیں دل کے لیے دوا کا کام کرتی ہیں۔ تدبر کے ساتھ قرآن پڑھنا، پیٹ کا خالی ہونا، رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا، سحر کے وقت اللہ کے سامنے گڑ گڑانا اور صالحین کی صحبت میں بیٹھنا (رسالہ قشیرہ صفحہ ۱۷۳)۔

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تو کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھے اور وہ کسی علم پر گفتگو فرما رہے ہوں اور اس وقت تجھے پیشاب کی اشد ضرورت پڑ جائے تو ایسی حالت میں اگر تو اسی جگہ پر پیشاب کر دے تو یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشاب تو پانی سے دھو کر پاک کیا جاسکتا ہے مگر وہاں سے اٹھ جانے سے جو فوائد تم کھود دو گے انہیں تم کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے (کتاب الملع صفحہ ۲۷۲)۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحبت سپرین جی ہی پن وڈی حاج

قضا کج نماز وقت ورائن سہنجڑو

ترجمہ: محبوب کی صحبت بہت ضروری چیز ہے۔ اس کی خاطر نماز قضا کر دے، نماز کا وقت واپس لوٹا یا جاسکتا ہے مگر محبوب کی صحبت کا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔

اللہ کریم جل شانہ مجھے اور آپ کو ان تینوں نکتوں کو ہمیشہ یاد رکھ کر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

بیعت کے بعد کیفیات

کثرتِ ذکر اور شیخ کی توجہ کی برکت سے ابتدائی طور پر فقیر کا قلب جاری ہوتا ہے۔ اچھے اچھے خواب آتے ہیں۔ اپنے مرشد اور مختلف بزرگوں کی زیارت ہوتی ہے، بعض کا مراقبہ کھل جاتا ہے۔ اچھے طالبوں کو کشف بھی ہونے لگتا ہے۔

ایسے ہی فقراء کے دل میں وسوسے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اپنے مرشد کے بارے میں کبھی راہِ طریقت کے بارے میں اور کبھی دینِ اسلام کے بارے میں۔ حتیٰ کہ بعض طالب ایسے ایسے وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں کہ وہ قابلِ بیان ہی نہیں۔ حضور نبی کریم رُوفِ رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ بیان

کے قابل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ عرض کیا جی حضور۔ فرمایا ذلک صریح الایمان یہ عین ایمان کی نشانی ہے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸)۔

بعض فقراء جب ذکر فکر شروع کرتے ہیں تو انہیں دنیاوی نقصان ہونے لگتا ہے، یہ بھی بہت بلند پایہ فقیر ہونے کی نشانی ہے۔ دراصل ان کی روح میں جمود نہیں ہوتا بلکہ ان کی روح کیفیت کو قبول کرتی ہے اور کیفیت ان پر واردات کرتی ہے۔ ایسا فقیر معرفت میں تیز ہوتا ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی کہا۔ فرمایا، اگر سچ کہتے ہو تو پھر فقر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے فقر اس کی طرف اس طرح بڑھتا ہے جیسے سیلاب اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۸)۔

بعض طالبوں کے لیے ان کا علم حجاب بنتا ہے اور وہ سمجھ سے بالاتر باتوں پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ مشائخ علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کہ لا تعترض علی شیخک ایہا المرید یعنی اے مرید اپنے شیخ پر اعتراض مت کر۔

بعض طالبوں کا قلب اور دیگر لطائف فوراً جاری ہو جاتے ہیں اور بعض کے لطائف دھڑکنے لگتے ہیں اور بظاہر لطائف کا پھر کنا ہر کسی کو نظر آتا ہے۔ یہ چیز ایسے طالبوں کے لیے تکبر کا سبب بن جاتی ہے اور شہرت اور تماشے کا سبب بھی بنتی ہے۔ جب کہ شہرت ممنوع ہے۔ نیز اس سے اگلی کیفیات میں جا کر یہ لطائف کا اجراء مصیبت بن جاتا ہے۔ اس لیے گہرے اور سنجیدہ مشائخ ایسی چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ الٹا ناپسند کرتے ہیں۔ دراصل ان چیزوں کی مثال تنکوں کی آگ جیسی ہے۔ جو فوراً بھڑک اٹھتی ہے مگر فوراً بھسم بھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے پیشوا و مقتدا حضرت علی محمد عرف میاں سائیں قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ :

ہی ککھن جی بہاہ آہی
یعنی یہ تنکوں کی آگ ہے۔

ہلکی آنچ کی دیگ میں پکنا ہی لذت، عروج اور گہرائی فراہم کرتا ہے۔ طریقت کے

اس سفر میں دو کیفیات کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ قبض اور بسط۔ قبض اور بسط دراصل دو احوال ہیں جو منتہی لوگوں پر آتے ہیں۔ لیکن مبتدی طالب پر بھی ان سے ملتی جلتی کیفیت آتی ہے جسے انہی لفظوں سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ ایک انجانی سی گھٹن اور پریشانی کا نام قبض ہے۔ فقیر کا دل خاموش رہنے کو چاہتا ہے اور دنیا میں کہیں اس کا دل نہیں لگتا۔ اس کے بالکل برعکس ایک انجانی سی خوشی اور کشادگی کا نام بسط ہے۔ اگر ابتدائی طالب پر یہ دو کیفیات آجائیں تو اس کے لیے مبارک ہے۔ طریقت میں اس کا قدم مضبوط ہو چکا ہے۔

طریقت والوں کے لیے سفر ایک بے بہاد دولت ہے۔ حج یا عمرے کو جانا، دریا کی سیر کرنا اور پہاڑوں میں جا کر کچھ وقت گزارنا کامیابی کی راہیں کھولتا ہے۔ سفر کرنے سے اچھے اچھے خیالات آتے ہیں اور الہام کا دروازہ کھلتا ہے۔ فقیر اپنی کیفیت کو آسانی سے سمجھنے لگتا ہے اور اچھی اچھی تدبیریں اللہ کریم کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔ قبض کے دنوں میں بلندی کی طرف سفر کرنا اور بسط کے دنوں میں پستی کی طرف سفر کرنا زیادہ تر فائدہ مند ہوتا ہے۔

طالب طریقت کو سب سے پہلے مرشد مرشد کرنا پڑتی ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو مرشد کی محبت میں گم کر بیٹھتا ہے تو اسے فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ پھر وہ اپنے آپ کو حضور محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ کی محبت میں گم کر دیتا ہے تو اسے فنا فی الرسول کہتے ہیں اور جب وہ اپنے آپ کو اللہ کریم جل شانہ کی ذات اقدس میں اور اس کی محبت میں گم کر دیتا ہے تو اسے فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

یقین کی دولت

یقین ایک دولت عظمیٰ ہے، اس کی متعدد جہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خدا ہونے کا یقین ہے۔ وہ جو بھی چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ انا عند ظن عبدی یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۱)۔ اگر بندہ یہ یقین رکھ لے کہ میرا رب مہربان ہے مجھے ضرور معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گمان کے مطابق ہی اس سے سلوک فرمائے گا۔

جو طالبِ طریقت رب کو اپنا محبوب سمجھتے ہیں انکے ساتھ اسکا رویہ مختلف ہوتا ہے اور جو لوگ رب کو اپنا محب سمجھتے ہیں اور خود کو محبوب سمجھتے ہیں انکے ساتھ اسکا رویہ دوسرا ہوتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ کسی طالب سے گناہ سرزد ہو جائے تو بعض اوقات گناہ کا احساس اسکے دل میں گھر کر لیتا ہے۔ رب کے ہاں سے معافی کا ہو جانا ایک الگ بات ہے مگر وہ خود ہی اپنے آپ کو معاف نہیں کرتا۔

۱۹۹۰ء میں فقیر ایک اپنے روحانی بھائی عبدالرؤف کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔ فقیر نے پوچھا کیا آپکو اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے اس قدر ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ چھت سے بجلی کا پتکھانہ مجھ پر گرا دیا جائے۔ پھر انہوں نے فقیر سے پوچھا کیا آپکو بھی ڈر لگتا ہے؟ فقیر نے کہا ڈر تو لگتا ہے مگر مجھے اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈر نہیں لگتا بلکہ مجھے اس کی بے نیازی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو مجھے گناہوں کے باوجود بخش دے اور اگر چاہے تو نیکیوں کے باوجود پکڑ لے۔

فقیر نے کہا کہ انسان خود ہی خطا کرتا ہے، خود ہی خود پر گرفت کرتا ہے، خود ہی پچھتااتا ہے، خود ہی استغفار کرتا ہے اور خود ہی خود کو معاف کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا بالکل حق ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ الندم توبہ قدامت ہی توبہ ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ندامت ہی معافی ہے۔

یقین کی ایک جہت یہ ہے کہ اپنے مرشد جیسا کسی کو نہ سمجھا جائے۔ ہم نے اپنے مرشد کریم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مرید اپنے مرشد کو فنا فی الشیخ سمجھے گا وہ فنا فی الشیخ ہو جائے گا۔ جو اپنے مرشد کو فنا فی الرسول سمجھے گا وہ فنا فی الرسول ہو جائے گا اور جو اپنے مرشد کو فنا فی اللہ سمجھے گا وہ فنا فی اللہ ہو جائے گا۔ اگر مان لیا جائے تو مسجد ہے، اگر نہ مانا جائے تو محض ایک کمرہ ہے۔

یقین کی ایک جہت یہ ہے کہ طالبِ طریقت جب اس مقدس راستے میں قدم رکھے تو اس یقین کے ساتھ رکھے کہ منزل مقصود تک پہنچنا محال نہیں۔ اگر حصول مقصد میں دیر لگے تو اپنے مشن سے باز نہ آئے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے زمین میں کنواں کھودتے وقت پانی نکلنے میں

دیر لگ جائے مگر کھودنے والے کو سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ نیچے پانی موجود ہے۔ اس صورت میں یقین کی ضد مایوسی ہے۔ اور مایوسی گناہ ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے ایک پیر بھائی سے ہمارے مرشد کریم نے فرمایا کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوگئی۔ مگر اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ یہ بیٹی نہیں بیٹا ہے۔ میرے مرشد کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس نے اس کا لڑکوں والا نام رکھا۔ لڑکوں والا لباس پہنایا۔ لڑکوں کی طرح پرورش کی۔ مگر سب کو معلوم تھا کہ یہ لڑکی ہے۔ جب وہ لڑکی جوان ہوگئی تو اس کے باپ نے اس کے لیے اپنے بھائی کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ اس کے بھائی نے کہا اس سے پہلے میرا خیال تھا کہ تم محض اپنے پیر سے خوش عقیدگی کا شکار ہو۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ تم واقعی پاگل ہو۔ رشتے کا پرزور مطالبہ جاری تھا۔ آخر کار بھائی نے تنگ آ کر رشتہ دے دیا اور کہا کہ اس سے میری جان چھڑاؤ، اس کی لڑکی کے پاس میری لڑکی چلی جائے گی تو کونسی گالی ہے؟ نکاح ہو گیا۔ رات گزری تو لڑکی نے بتایا کہ میرا شوہر مرد ہے۔ یہ درگاہ عالیہ مشوری شریف کا سچا واقعہ ہے اور اس کے گواہ آج بھی موجود ہیں۔

مرشد کا کامل ہونا ضروری ہے مگر مرید کا کامل ہونا بھی اشد ضروری ہے اور مرید کے کامل ہونے سے مراد صاحب یقین ہے۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں ہمیں مرشد کامل نہیں ملتا، میں کہتا ہوں مجھے مرید کامل نہیں ملتا۔

یقین کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ انسان دو مختلف خیالات نہ آنے دے۔ یعنی ڈبل مائنڈ نہ ہو۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سڑک پار کرتے وقت اکثر وہی لوگ حادثے کا شکار ہوتے ہیں جو آگے گزر جانے یا پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ نہیں کر پاتے۔ اسی لیے ایک مرید بھی دو مرشدوں کے درمیان کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ اسی لیے یک سوئی اور ذہنی ارتکاز ضروری ہے۔ ایک اللہ، ایک رسول، ایک مرشد، ایک تصور اور ایک ہی خیال۔ ورنہ طریقت کا مشرک ٹھہرے گا اور شرک سراسر انتشار ہے۔

یقین کی ایک جہت کا تعلق اسلامی عقائد اور نظریات سے ہے۔ خاص طور سے اس دور میں روافض کی طرف سے پھیلائی جانے والی باتیں کچے طالبوں کے لیے بے یقینی اور متذبذب

کا سبب بنتی ہے۔ واضح رہے کہ شیعہ مذہب سراسر بدشگونیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی باتیں سن کر اچھے خاصے لوگ اپنی تقریر کا رخ بدل دیتے ہیں۔ اپنی تحریر میں موضوع روایات لے آتے ہیں اور بعض تو بدحواس ہو کر قلم رکھ دیتے ہیں۔ اس موقع پر ضروری ہے کہ محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور دیگر صحابہ کے بارے میں اپنا عقیدہ اہل سنت کے مطابق مضبوط رکھا جائے۔ کسی طرف جانبدارانہ جھکاؤ نہ آنے دیا جائے جو خروج اور رخص کو مستلزم ہو۔ خوارج کے خلاف قلم اٹھانے کا یہ معنی نہیں کہ یہ قلم صحابہ کے خلاف اٹھا ہے اور اسی طرح روافض کے خلاف قلم اٹھانے کا یہ معنی نہیں کہ یہ قلم اہل بیت اطہار کے خلاف اٹھا ہے۔ جو شخص یہاں بے یقینی کا شکار ہو گیا وہ یقیناً راہ اعتدال سے بھٹک گیا۔ اس مقام پر اولیاء سابقین علیہم الرضوان کے راستے کو اپنے لیے مشعل راہ بنانا ضروری ہے۔ اس مقام پر قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اپنی کتاب غیۃ الطالبین میں روافض کے مذاہب کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور کسی قسم کی بے یقینی کو قریب نہیں آنے دیا۔ شیخ المشائخ حضور سید میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز نے تصوف کی مایہ ناز کتاب سبع سنابل کا پہلے سنبھلے میں روافض اور ان کے تفصیلی فرقہ کو دفن کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ کتاب محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روحانی طور پر شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اور اس کتاب کے لکھنے والے بزرگ اگر چہ چشتی ہیں مگر یہ کتاب ہر سلسلے کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سورج ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں رافضی مذہب کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام رد الروافض ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے ان کے خلاف بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ افضلیت شیخین پر شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب قرۃ العینین اور روافض کے رد میں شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب تحفہ عشریہ اپنی مثال آپ ہیں۔

امام اہل سنت حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے روافض کے رد میں بیس کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں مطلع القمرین، الزلال الافقی اور غایۃ التحقیق شیخین کی افضلیت کے

موضوع پر ہیں اور دیگر کتب باقی موضوعات پر ہیں۔

ہمارے مرشد کریم سیدی و سندی و مولائی حضرت قطب الاقطاب فقیہ اعظم مفتی محمد قاسم مشوری قدس سرہ العزیز نے روافض کے رد میں اوضح البیان ان الشیعة اعداء القرآن تحریر فرمائی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ العزیز نے مذہب شیعہ نام کی کتاب لکھی ہے، جو ایک تلوار بے نیام ہے۔ آپ شیعہ کے خلاف کئی مناظروں میں شریک ہوئے اور اپنے پڑوس میں روافض کے ایک گروہ کے ساتھ طویل عرصہ تک نبرد آزار ہے۔ ان سب اللہ کے پیاروں کو یقین تھا کہ وہ حق پر ہیں اور روافض کی تردید ضروری ہے۔ خود کو وسیع القلب اور انہیں متشدد کہنے والا احق ہے اور انہیں نادان سمجھنے والا خود نادان ہے۔ بلکہ حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والے قدس سرہ فرماتے ہیں کہ رافضی لوگ خارجیوں سے بھی بدتر ہیں (مقابیس الجالیس صفحہ ۸۹۲، ۷۹۶)۔

اسی یقین کی ایک جہت کا تعلق بدشگونیوں سے ہے۔ بلی نے راستہ کاٹ لیا تو ڈر گئے، کسی نے ٹیڑھی نظر سے دیکھ لیا تو گھبرا گئے، کسی نے کہہ دیا میں تمہیں نگاہ سے جلا دوں گا تو اس کے پاؤں پکڑ لیے، کسی نے کہہ دیا کہ میں فلاں مزار سے آیا ہوں تو اس سے توقعات وابستہ کر لیں، کسی نے کوئی شعبہ دکھا دیا تو اسے ولی سمجھ لیا۔ اس قسم کی باتوں کے معاملے میں فقیر کو یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ایسے لوگوں کو ماشاء اللہ کہہ کر جان چھڑا لینی چاہیے مگر کھری کھری سنانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے کیے کا بدلہ اللہ کریم سے پالے گا۔

یقین کی ایک جہت کا تعلق توکل کے ساتھ ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا توکل کی ایک حد ہے۔ اصل اور کامل توکل یہ ہے کہ اسباب سے صرف نظر کر لیا جائے۔ محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر لوگ توکل کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو رزق اس طرح فراہم کرے جیسے پرندوں کو فراہم کرتا ہے جو صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۲)۔

شیخ اکبر قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی اللہ کے ولی سے پوچھا گیا کہ کوئی وصیت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا یا بنی سد الباب واقطع الاسباب و جالس الوہاب یکلک من غیر حجاب اے بیٹے دروازہ بند کر دے، اسباب ختم کر دے، وہاب کے پاس بیٹھ جا، وہ بغیر کسی حجاب کے تمہاری کفالت کرے گا۔

حضرت میاں محمد بخش صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بیڑی روہڑا سباباں والی عشق ندی دے ٹھاٹھوں

فقیر کی نظر سب پر نہیں بلکہ سبب الاسباب پر ہونی چاہیے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

چوں رزق حقدار است کم کوشی بہ چوں گفتہ نو یسند خاموشی بہ

پنجابی میں محاورہ ہے۔

بھج بھج تھکاں بھراں کلاوے جو کچھ لکھیا اوہا کچھ آوے

یقین کی ایک جہت کا تعلق غیر اللہ سے بے خوف ہو جانے سے ہے۔ یقین کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ فقیر کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بات پر یقین ہو کہ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں میرے محبوب کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ ایک مولانا صاحب نے بسم اللہ کی برکات پر وعظ فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اگر آپ دریا میں بھی چھلانگ لگا دیں تو بخیریت پار چڑھ جائیں گے۔ ایک گڈریا نے یہ وعظ سنا اور اس نے اس پر یقین کامل رکھ لیا اسے جب بھی پار جانا ہوتا بسم اللہ پڑھ کر دریا پر قدم رکھ دیتا اور پار چلا جاتا۔ ایک دن وہی مولانا صاحب دریا کے کنارے کشتی کا انتظار فرما رہے تھے۔ گڈریا وہاں سے گزرا تو اس نے پوچھا قبلہ آپ کیوں کھڑے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کشتی کا انتظار ہے۔ گڈریے نے عرض کیا حضور بسم اللہ پڑھیے اور پار چلے جائیے۔ میں نے آپ سے یہ مسئلہ سنا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا اگر ایسا ہے تو میں بھی بسم اللہ پڑھ کر دریا میں پاؤں رکھتا ہوں۔ لیکن احتیاطاً میرے پاؤں کے ساتھ رسی باندھ دو تاکہ اگر بسم اللہ نے اپنا کام دکھایا تو ٹھیک ورنہ رسی کھینچ کر مجھے ڈوبنے سے بچالینا۔

اس طرح کا ڈھیلا یقین ہو تو بسم اللہ کے ذریعے کبھی پار نہیں چڑھا جا سکتا۔ صوفیائے

کرام علیہم الرضوان نے یقین کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے سن رکھا ہو کہ آگ جلا دیتی ہے، یہ علم الیقین ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کو آگ میں جلتے دیکھا ہو تو یہ عین الیقین ہے اور اگر کسی نے خود آگ میں جل کر دیکھا ہو تو یہ حق الیقین ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ فرماتے ہیں: علم الیقین علماء کا درجہ ہے جو احکام و اوامر پر استقامت رکھتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے جو موت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور حق الیقین محبوبان خدا کے فنا کا مقام ہے جو تمام موجودات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے، عین الیقین اُنس و محبت سے اور حق الیقین مشاہدے سے۔ پہلا عام ہے دوسرا خاص تیسرا خاص الخالص، واللہ اعلم (کشف المحجوب صفحہ ۴۳۱)۔

ہم نے تجربہ کیا ہے کہ صوفیائے کرام علیہم الرضوان کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے، صوفیاء اور فقراء کی صحبت میں بیٹھنے اور صوفیاء کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے اور ان کی سچی حکایات سننے سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ بزرگوں کے ملفوظات زمین میں اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جن کے ذریعے نفس اور شیطان کے خلاف فتح نصیب ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

ایک مرتبہ ہم چند پیر بھائی آپس میں مل کر بیٹھے تھے۔ فقیر کو ان میں سے جناب محمد امین جاوید صاحب اچھی طرح یاد ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ طریقت کے جن پیچیدہ مسائل سے آج کل ہمیں واسطہ پڑ گیا ہے، ان حالات میں ہمیں نہایت گہرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے حالات اور فرمودات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے ارشادات سے راہنمائی لینی چاہیے۔

حضرت ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اس امت میں سب سے پہلے ابو بکر ؓ کی زبان پر اشارۃً صوفیاء کی بات ظاہر ہوئی جس سے اہل فہم نے ایسے لطائف نکالے، جن میں عقل مندوں کو بھی وسوسے آنے لگے۔ حضرت شیخ ابونصر سراج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: واسطی نے اپنے اس قول میں کہ صوفیانہ بات سب سے پہلے ابو بکر صدیق ؓ کی زبان پر ظاہر ہوئی، اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب ابو بکر صدیق ؓ نے اپنی تمام املاک اللہ کی راہ میں

نکال دیں اور نبی ﷺ نے انہیں فرمایا: تو اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آیا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا: اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں۔ ابو بکر نے پہلے اللہ کا ذکر کیا اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر بعد میں کیا۔ حقائق تفرید میں اہل توحید کے لیے یہ اپنی نوعیت کا بہت بڑا اشارہ ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کے علاوہ دیگر اشارات بھی ہیں جن سے مزید لطائف نکالے جاتے ہیں، اہل حقائق کو ان لطائف کا علم ہے اور ان پر لگے رہنے اور اپنانے کے لیے وہ انہیں خوب سمجھتے ہیں (کتاب المصباح صفحہ ۱۹۴)۔

فقیر راقم الحروف نے حسب توفیق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احوال کا مطالعہ کیا ان کے حالات اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انکی عارفانہ گفتگو اور راز و نیاز کی باتیں کافی حد تک مطالعہ میں آئیں۔ ان باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خصوصی دعا روایت فرمائی ہے جو ہماری بیان کردہ یقین کی تمام جہات میں کامیابی کی کنجی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يا ايها الناس، ان الناس لم يعطوا في الدنيا خير امن اليقين والمعافة فسلواهما الله عز وجل

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یقین اور عفو سے بڑھ کر کسی کو کوئی دولت عطا نہیں فرمائی۔ اللہ عز وجل سے یقین اور عفو مانگا کرو (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: سلوا الله العفو والعافية واليقين في الآخرة والاولى یعنی اللہ سے دنیا اور آخرت میں عفو اور یقین کا سوال کرو (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ الا انه لم يقسم بين الناس شئ افضل من المعافاة بعد اليقين یعنی خبردار! لوگوں میں عفو اور یقین سے افضل کوئی چیز تقسیم نہیں کی گئی (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۲)۔

ان سب احادیث کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے۔ لہذا ہمیں دعا مانگتے وقت یوں عرض کرنا چاہیے۔

اللهم انى اسئلك العفو واليقين

اے اللہ میں تجھ سے عفو اور یقین کا سوال کرتا ہوں۔

دوسرا باب

اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے

أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ لِقُلُوبِهِمْ

حدیث قدسی ہے کہ: اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ لِقُلُوبِهِمْ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، انہی دنوں میں ابوطالب بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سال کا نام غم کا سال (عام الحزن) رکھا گیا۔ کفار نے پریشان کرنے میں انتہا کر دی۔ طائف میں جا کر تبلیغ فرمائی تو لوگوں نے پتھر مارے۔ دل ٹوٹ گیا تو معراج نصیب ہوئی۔ دل بہلانے کے لئے آسمانوں کی سیر کرائی گئی، جنت کی بہاریں دکھائی گئیں، استقبال کے اہتمام کئے گئے، عرش کے پار دیدارِ الہی کا شرف بخشا گیا، فاعوحی الی عبدہ ما ووحی کے راز و نیاز ہوئے۔ بم اشرفک یا محمد ﷺ فرما کر منہ مانگی فرمائش پوری کی گئی۔ دل کا ٹوٹنا ان ساری کرم نوازیوں کا سبب بنا۔

حدیث میں ہے کہ اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب یعنی مظلوم کی آہ سے ڈر، مظلوم کی آہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ بھوک پیاس بیماری اور غربت بھی دل توڑ دیتی ہیں اور اللہ کے قرب کا سبب بنتی ہیں۔

یہ نکتہ ہمیں سمجھ آ جائے تو ہم سہولتوں سے منہ موڑ لیں اور دکھوں کو گلے لگانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مرادیں مانگنا چھوڑ دیں اور نامرادی کے لیے تیار ہو جائیں۔ حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نامرادی جے نہ جھرے یہی پس اللہ
چنور بانی راہ پر مرادن کھنیں مخفی کیو

اگر انسان نامرادی کے لیے تیار ہو جائے تو اللہ سامنے ہے۔ صاف خدائی راستہ ہے جسے ہم نے مرادوں کی وجہ سے چھپا دیا ہے۔

یہ راز اگر ہم پر فاش ہو جائے تو پھر ہم جیتنے کی خواہش ترک کر دیں اور ہار جانے کو تیار ہو جائیں۔ حضرت میاں محمد بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چتن چتن ہر کوئی کھیڑے توں ہارن کھیڑ فقیرا

چتن دامل کوڈی ہوندا ہارن دامل ہیرا

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن ہوگا، اللہ پاک جل شانہ ایک بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار تھا تو مجھے پوچھنے نہیں گیا۔ بندہ کہے گا یا اللہ تو بیمار ہونے سے پاک ہے میں تجھے پوچھنے کیسے جانتا؟ اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اسے پوچھنے چلا جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ بندہ اسی طرح کہے گا کہ اے اللہ تو کھانا کھانے سے پاک ہے میں تجھے کھانا کیا کھلاتا۔ اللہ پاک فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو اس کا اجر مجھ سے پا لیتا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تم نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا۔ بندہ عرض کرے گا باری تعالیٰ تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تم نے اسے پانی نہیں دیا تھا۔ اگر تم اسے پانی پلا دیتے تو آج اس کا اجر مجھ سے پالیتے۔

مطلب یہ ہے کہ بھوکے کو جب بھوک لگی ہوتی ہے۔ اور پیٹ خالی ہوتا ہے تو اس وقت بھی بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ اس بھوک کو معمولی چیز نہ سمجھنا چاہیے۔ بھوک اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا، غربت میں ہی رہے گا اور غریبوں کو مبارک ہو۔ بدء الاسلام غریبا و سيعود غریبا فطوبی للغریبائ۔

اس لیے کہ غریب ہی بھوکا ہوا کرتا ہے، غریب کا دل ہی زیادہ سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔ غریب ہی پیاسا رہا کرتا ہے، غریب ہی میلا کچیلارہا کرتا ہے اور غریب جو میلا کچیلارہا کرتا ہے اور بھوکا

پیاسا رہتا ہے تو بھوک اور پیاس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوتا ہے۔ رَجے ہوئے بندے اکثر اللہ سے غافل ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے کہ رَجے ہوئے بندے کا دل نہیں ٹوٹا کرتا۔

صوفیاء کا ایک قول ہے: الجوع طعام اللہ بھوک اللہ کی طرف سے کھانا ہے۔ ایک مانگنے والا گلی میں جا رہا تھا، کہہ رہا تھا۔ خدا کے بندو خدا کی قسم میں تین دن سے بھوکا ہوں، خدا کے لیے مجھے کچھ کھلاؤ۔ اللہ کے ایک ولی نے یہ آواز سنی تو فرمایا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو اللہ پر بہتان باندھتا ہے، تو تین دن سے بھوکا نہیں ہے۔ اس نے کہا کیسے؟ اس اللہ کے ولی نے فرمایا بھوک اللہ کا تحفہ ہے، اللہ کا کھانا ہے۔ اگر تو واقعی بھوکا ہوتا تو تجھے خداوند قدوس کے کھانے کی قدر ہوتی اور یہ شکایت اپنی زبان پر کبھی نہ لاتا۔

اللہ پاک کو جس بندے سے محبت ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ پاک جل شانہ اسکو بعض اوقات پریشانی میں یا کسی نہ کسی مشکل میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان العبد اذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغه بعمله الحديث اللہ تعالیٰ جل شانہ جب کسی بندے کے لیے ایک منزل مقرر کر دیتا ہے کہ میں نے اس کو فلاں رتبے پر پہنچانا ہے، اس بندے کو حکم ہوتا ہے کہ یہ ذکر کر، یہ عمل کر تجھے یہ رتبہ مل جائے گا وہ بندہ اس ذکر فکر کے ذریعے سے اس منزل پر نہیں پہنچ پاتا۔ اللہ تعالیٰ اسکو امتحان میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ امتحان مالی ہوتا ہے یا جسمانی ہوتا ہے یا اولاد کا ہوتا ہے۔ پھر اس کو اللہ پاک اپنے پاس سے صبر کی توفیق دیتا ہے۔ حتیٰ يبلغه المنزلة التي سبقت له حتیٰ کہ اللہ پاک اس بندے کو اس منزل تک پہنچا کر چھوڑتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر رکھی ہوتی ہے۔ تو یہ امتحانات اور مشکلات منازل طے کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت قیامت کے دن دیکھیں کہ اللہ کریم اجر دے گا تو سکھی لوگ وہ اجر، وہ خیرات، وہ نعمتیں بٹی ہوئی جب دیکھیں گے تو اس وقت وہ کہیں گے کہ لو کانت اجسادنا قرضت بالمقاريض کاش دنیا میں ہمارے جسم قینچی کے ساتھ کترے گئے

ہوتے تاکہ آج ہمیں بھی اجر ملتا۔ آج جو شخص خود بیمار ہے، جسکی بیوی بیمار ہے، جسکی اولاد بیمار ہے، جس کی ماں بیمار ہے اور وہ خدمت کرنے پر لگا ہوا ہے یا اس کو خود کسی قسم کا دکھ ہے، وہ دراصل گھئی کے گھونٹ بھر رہا ہے۔ قیامت کے دن اس کو سمجھ آ جائے گی کہ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت تھی۔

صحیح حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا الدنيا سجن المومن وجنة الكافر دنیا مومن کا پنجرہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ جو دنیا میں قید کی طرح رہ رہا ہے، دکھوں میں وقت گزار رہا ہے اسے مبارک ہو۔ اور جو چاہتا ہے کہ میں دنیا میں عیش و عشرت کروں، رنج کھاؤں اور میرے جیسا دنیا میں اور کوئی نہ ہو، وہ بندہ دھوکے میں ہے، وہ اللہ پاک جل شانہ سے دوستی نہیں مانگ رہا۔ عین ممکن ہے کہ اس کا یہ رزق، یہ دولت، یہ آسائشیں، یہ سہولتیں اس کو اللہ پاک سے غافل کر دیں۔

ہمارے مرشد کریم حضرت قبلہ مشوری والے سائیں قدس سرہ نے ساری زندگی اپنی ذاتی گاڑی نہیں خریدی، ہمیشہ زمین پر بیٹھے اور رقاق غالب رہا۔ اپنے دونوں شہزادوں حضرت میاں سائیں اور حضرت سائیں نالے مٹھا علیہما الرحمۃ والرضوان کی ایسی تربیت فرمائی کہ انکسار کے پیکر تھے اور تصنع نام سے نفرت تھی، حضرت میاں سائیں قدس سرہ مسجد شریف کے باہر دیوار کے ساتھ اس طرح بیٹھے رہتے تھے کہ ناواقف آدمی دیکھ کر یوں سمجھتا تھا جیسے کوئی مرید مرشد خانے پر آیا ہے۔

حضرت قبلہ سائیں نالے مٹھا قدس سرہ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سرگودھا کے ایک احسان نامی فقیر نے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا تاج شریف پیش کیا۔ آپ نے نگ تاج شریف کی بجائے ذرا کھلا تاج پسند فرمایا۔ سر مبارک پر پہن کر فرمانے لگے: دھونے سے پورا ہو جائے گا۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جدید اور ماڈرن دور میں ایسے فراخ دست صاحبزادے تاج شریف کو دھو دھو کر پہنتے ہوں گے۔

ہمارے مرشد اعلیٰ حضرت سیدنا امام جعفر صادق ؑ کا ایک مرید تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا حضور ایک مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ فرمایا کیا ہے؟ اس نے عرض کیا حضور ہم دعائیں کرتے

رہتے ہیں مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ آپ جیسے ہی ہاتھ اٹھاتے ہیں، دعا قبول ہو جاتی ہے۔ یہ فرق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: زبانی سمجھا دوں یا پریکٹیکل کرا دوں۔ اس نے کہا پریکٹیکل کرا دیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اسے اٹھاؤ اور پانی میں پھینک دو۔ اس کو تالاب میں ڈال دیا گیا۔ آپ نے پانی کو حکم دیا کہ اس کو غوطے دو۔ پانی نے اسے اوپر نیچے غوطے دینا شروع کر دیے۔ اس نے کہا امام صاحب خدا کے لیے مجھے بچالیں۔ آپ نے کچھ نہیں فرمایا خاموش رہے۔ بالآخر اس نے کہنا شروع کر دیا یا اللہ اب تو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اب اسے پکڑ کر باہر نکالو۔ کچھ بندے آگے بڑھے اسے پکڑ کر باہر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس بندے سے پوچھا بتاؤ یہ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ کہنے لگا حضور پہلے تو میں آپ کو بلاتا رہا، پھر جب بے بس ہو گیا اور تسلی ہو گئی کہ اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں تو اس وقت میرا ذہن ایک وحدہ لا شریک کی طرف لگ گیا اور مجھے اپنے قلب کے اندر ایک سوراخ نظر آیا جس کے اندر ایک روشنی محسوس ہوئی اور میں نے اس روشنی میں کہا اے اللہ اب تو ہی میری مدد کر سکتا ہے۔ جیسے ہی میں نے اللہ سے عرض کیا تو آپ نے اپنے مریدوں سے کہہ دیا کہ اسے باہر نکالو۔ آپ نے فرمایا وہ جو موت کا منظر تمہیں اس وقت نظر آ رہا تھا وہ منظر ہم پر ہمیشہ طاری رہتا ہے۔ اس لیے ہماری ہر دعا قبول ہو جایا کرتی ہے۔

فقیر سے ایک دوست نے پوچھا مراقبہ کیسے کھلتا ہے۔ فقیر نے ہنس کر کہا اگر دو بڑے منہ والے کتے تمہارے پیچھے لگا دیے جائیں تو فوراً مراقبہ کھل جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ مراقبہ کھولنے کے لیے فکر کا قائم ہونا ضروری ہے۔

اللہ والے اللہ کی بارگاہ میں ہر وقت حاضر رہتے ہیں، اور اس طرح حاضر رہتے ہیں کہ بس اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے۔ ایسی حالت میں مانگی ہوئی دعائیں تو کیا ایسی حالت میں آنے والا خیال بھی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے۔ یہ حاضری اللہ کریم جل شانہ اپنے فضل سے ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

حضرت سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کا واقعہ

حضرت سیدنا کعب بن مالک ؓ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ جب حضور کریم ﷺ غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت کعب بن مالک ؓ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ خود اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

جب میں نے سلام عرض کیا تو آپ ﷺ مسکرائے جیسے کوئی ناراض آدمی مسکراتا ہے، آپ نے فرمایا آؤ، میں آکر آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ تھی؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بخدا اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیا دار کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے معلوم ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا کی گئی ہے، لیکن بہ خدا مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے آج آپ سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ اس سے راضی ہو بھی گئے، تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اور اگر میں آپ سے سچی بات کہوں تو آپ مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھ کو سچ میں اللہ تعالیٰ سے حسن عاقبت کی امید ہے، بہ خدا میرا کوئی عذر نہیں تھا، اور جس وقت میں آپ کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہر حال اس شخص نے سچ بولا ہے، تم یہاں سے اٹھ جاؤ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے، میں وہاں سے اٹھا اور بنو سلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے، انہوں نے مجھ سے کہا بہ خدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو، کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس قسم کا کوئی عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے، تمہارے گناہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا تمہارے لیے استغفار کرنا کافی تھا، بہ خدا وہ مجھ کو مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دوبارہ جاؤں اور اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے، انہوں نے کہا دو اور شخصوں نے بھی تمہاری طرح کہا ہے ان سے بھی حضور نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا، میں نے پوچھا وہ کون ہیں، انہوں نے کہا وہ مرارہ بن ربیعہ عامری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں، انہوں نے مجھ سے ان دونیک شخصوں کا ذکر کیا جو غزوہ

بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ میرے لیے نمونہ تھے، جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تنیوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ جو آپ سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کر لیا اور ہمارے لیے اجنبی ہو گئے، حتیٰ کہ زمین بھی میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ یہ وہ زمین نہیں تھی جس کو میں پہلے پہچانتا تھا، ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دوست اسی تو خانہ نشین ہو گئے تھے، وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے روتے رہتے تھے، لیکن ان کی بہ نسبت میں جوان اور طاقتور تھا، میں باہر نکلتا تھا، نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا، مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا، میں رسول اللہ کی خدمت میں آتا، اور نماز کے بعد جب آپ اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ کو سلام عرض کرتا، میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ کو دیکھتا سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے رخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے چچا زاد حضرت ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے، میں نے ان کو سلام کیا، بہ خدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے ان سے کہا: اے ابوقتادہ! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ ان کو قسم دے کر سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے، میں نے پھر ان کو قسم دی تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے دیوار پھاندی اور واپس آ گیا، ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جارہا تھا، تو اہل شام کا ایک شخص مدینہ میں غلہ بیچنے کے لیے آیا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک سے ملادے، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں چونکہ پڑھا لکھا تھا، اس لیے میں نے اس کو پڑھا اس میں لکھا تھا: ”ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو

ذلت اور رسوائی کی جگہ پر رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔“ میں نے جب یہ خط پڑھا تو میں نے کہا یہ بھی میرے لیے ایک آزمائش ہے، میں نے اس خط کو تنور میں پھینک کر جلا دیا، حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے، اور وحی کی رہی تو ایک دن رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس آیا، اس نے کہا رسول اللہ ﷺ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، میں نے پوچھا آیا میں اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا نہیں بلکہ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اور اس کے قریب نہ جاؤ، حضرت کعب نے کہا رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے، حضرت کعب نے کہا پھر حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا یا رسول اللہ! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے کیا آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں، آپ نے فرمایا نہیں، لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرے، ان کی بیوی نے کہا بہ خدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے، اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بہ خدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں، مجھ سے میرے بعض گھروالوں نے کہا تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح اجازت لے لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے، میں نے کہا میں اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں لوں گا، مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے۔ اور میں ایک جوان شخص ہوں، پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی اس کو پچاس دن گزر چکے تھے، حضرت کعب کہتے ہیں کہ پچاس روز کے بعد ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا، پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا، جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے: کہ مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی، اچانک میں نے نسلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی، جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا،

اے کعب بن مالک! بشارت ہو میں نے جان لیا کہ اب کشادگی ہوگئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے، پھر لوگ آ کر ہم کو مبارک باد دیتے تھے، پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارک باد دینے کے لیے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا، اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی، اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پہنچنے سے پہلے مجھ تک پہنچی، جب میرے پاس وہ شخص آیا، جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیے، بہ خدا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور میں نے کسی سے کپڑے لے کر پہنے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا، ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھ کو مبارک باد دینے کے لیے آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو، جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ مسجد میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے ارد گرد صحابہ بیٹھے تھے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، بہ خدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا، حضرت کعب طلحہ کو نہیں بھولتے تھے، حضرت کعب نے کہا جب میں نے رسول اللہ کو سلام کیا تو خوشی سے آپ کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے مبارک ہو، جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے، اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لیے نہیں آیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ (قبولیت توبہ) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا کلڑا ہو، حضرت کعب نے کہا ہم اس علامت کو پہچانتے تھے، انہوں نے کہا جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے لیے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے کہا میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیر میں ہے اور میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ

سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا، انہوں نے کہا بے خدا! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تھا اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور آئندہ کے لیے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے بچا کر رکھے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ کی یہ آیتیں نازل کیں:

لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين اتبعوا في ساعة العسرة الخ (توبہ: ۱۱۷-۱۱۸)۔

اس حدیث پاک پر غور کیجیے۔ جن لوگوں نے عذر اور بہانہ پیش کیا اور ان کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا اور استغفار فرمایا، انہیں سزا کیوں نہ ملی؟ اور جنہوں نے سچ بولا انہیں سزا کیوں ملی؟ کیا سچ بولنے پر سزا ملنی چاہیے تھی؟ کیا حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ واقعی کوئی سزا تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ عذر پیش کرنے والوں کے لیے استغفار کیا گیا تو ان کی صرف مغفرت ہو گئی ہو مگر سیدھی بات کرنے والوں کی آپہں نکلاؤ نکلاؤ اگر انہیں سلوک کی منازل طے کرائی گئی ہوں۔

ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ سچ بولنے کی سزا نہیں تھی بلکہ اللہ کریم کا خاص انعام تھا۔ محبوب کی ناراضگی، بھائیوں کا بائی کاٹ، بیوی سے علیحدگی، بستر پر گوشہ نشینی، ذہنی کوفت، غیروں کی طرف سے پیش کش، ان ساری باتوں پر ثابت قدمی اور محبوب کا در چھوڑ کر کہیں نہ جانا، وہ آپہں جو عرش کے پار گئیں۔ یہ سب باتیں اس کی سمجھ میں آ سکتی ہیں جو آہوں اور سسکیوں کا قدر شناس ہو۔

آں جا کہ زہا ہاں بہ ہزار اربعیں رسد
مست شراب عشق بیک آہ می رسد

وطن چھوڑنا پڑ سکتا ہے

بے شمار انبیاء علیہم السلام نے اپنے وطن چھوڑے۔ محبوب کریم ﷺ نے مکہ شریف جیسا عظیم البرکت شہر چھوڑا، بے شمار صحابہ و صحابیات و اہل بیت اطہار علیہم الرضوان نے ہجرت فرمائی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ جو کوئی جس چیز کو اللہ کی خاطر قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اسے احسن طریقے سے واپس کر دیتا ہے۔ جو دال قربان کر کے آتا ہے اسے دال مل جاتی ہے۔ جو مرغی قربان کر کے آتا ہے اسے مرغی مل جاتی ہے۔ جو بیوی قربان کر کے آتا ہے اسے بیوی مل جاتی ہے اور جو تخت و تاج قربان کر کے آتا ہے اسے بادشاہی مل جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اور دیگر مہاجرین کو بھی اپنا قربان کیا ہوا وطن واپس دیا گیا، لیکن

حدیثوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ اللہ کی بارگاہ میں اس قدر جھک رہے تھے کہ آپ کا سر مبارک اونٹنی کے پالان کی اگلی لکڑی کے ساتھ لگ رہا تھا۔

پک جانا پڑتا ہے

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو چھوٹی سی عمر میں ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا، کسی نے وہاں سے نکال کر مصر کے بازار میں بیچ دیا، ماں باپ سے دور پردیس میں عرصہ دراز گزارنا پڑا، بہت بڑی الزام تراشی کا سامنا کرنا پڑا، بے گناہ جیل میں رہنا پڑا۔ تب جا کر تخت شاہی نصیب ہوا۔ یہ سارا عرصہ عروج کا تھا۔ اس کے بعد واپس اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے اسباب بنے اور جہاں سے ابتداء ہوئی تھی وہیں پر انتہا ہوئی۔

اللہ والے بدلہ نہیں لیتے

حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنے بھائیوں سے ملے تو ان سے بدلہ نہیں لیا۔ بلکہ فرمایا لا تشرب علیکم الیوم یعنی آج تم پر کچھ ملامت نہیں (یوسف: ۹۲)۔ جب مکہ شریف زادہ اللہ شرفاً فتح ہوا تو محبوب کریم ﷺ نے بھی مکہ والوں سے فرمایا: کہ میں بھی وہی یوسف والی بات کہتا ہوں جو انہوں نے اپنے بھائیوں سے فرمائی تھی: لا تشرب علیکم الیوم۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ تشریف فرما ہیں

اور ایک یہودی آپ ﷺ کو گالیاں دے رہا ہے۔ وہ گالی دیتا ہے آپ چپ ہیں۔ وہ پھر گالی دیتا ہے آپ چپ ہیں۔ تیسری دفعہ جب اس نے گالی دی تو آپ ﷺ نے اسے معمولی سا جواب دے دیا۔ نبی کریم ﷺ پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ مسکرا رہے ہیں۔ جب کافر گالی دیتا ہے صدیق اکبر خاموش ہیں تو حضور خوش ہو رہے ہیں لیکن جب کافر نے گالی دی اور صدیق اکبر ﷺ نے معمولی سا جواب دیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے محسوس کیا کہ شاید نبی کریم ﷺ کو میرا یہ رویہ پسند نہیں آیا۔ آپ ﷺ محبوب کریم ﷺ کے پیچھے چلے گئے۔ کاشانہ اقدس پر پہنچے۔ وہاں جا کر حضور کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا اس شخص کو جواب دینا آپ کو برا لگا ہے۔ میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا نہیں یہ کوئی ایسا بھیانک جرم نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے جب تک تم خاموش تھے تو اللہ کریم جل شانہ نے ایک فرشتے کو مقرر کر رکھا تھا۔ گالی کافر دیتا تھا، جواب وہ فرشتہ دیتا تھا۔ لیکن جب آپ نے گالی کا جواب خود دیا تو اللہ کریم جل شانہ نے فرشتے کو واپس بلا لیا، لہذا میں بھی اٹھ کر آ گیا۔

اللہ والے اپنا کیس خود ٹیک اوور نہیں کرتے، اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں اور جب اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ جل شانہ بدلہ لینے کے لیے فرشتے مقرر کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں موجود تھے۔ ایک شخص آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سخت مخالف تھا۔ اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام اعظم باہر نکلے۔ اس بندے نے سلام دعا کے بعد کہا کہ امام صاحب میں آپ کے پاس شریعت کے مطابق ایک مسئلہ لے کر آیا ہوں، میری بات شریعت کے خلاف نہیں ہوگی۔ کہنے لگا میں اپنے لیے آپ کی ماں کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ امام اعظم کی والدہ اندر موجود تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تمہاری بات شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن میری ماں عاقلہ بالغہ ہے۔ وہ اپنے بارے میں جو خود فیصلہ کرے گی میں اس کے مطابق تمہیں آ کر جواب دوں گا، مجھے اندر جا کر اپنی والدہ سے پوچھ لینے دو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اندر چلے گئے۔ اپنی والدہ سے پوچھا۔ والدہ سے جواب لے کر باہر تشریف لائے تو وہ شخص دروازے کے سامنے کتے کی

طرح مرچکا تھا۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنا بولا کہ: اس ظالم کو میرے صبر نے ہلاک کر دیا۔

امام اعظم کی طرف سے اللہ کریم جل شانہ نے خود بدلہ لے لیا۔ مقصد یہ ہوا کہ اللہ والے اپنے معاملات اللہ پر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اللہ کریم جل شانہ ان کی طرف سے خود بدلہ لے لیا کرتا ہے۔

خوف اور امید

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: وادعوه خوفاً وطمعاً یعنی اپنے رب سے دعا کرو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے (اعراف: ۵۶)۔

سید المرسلین رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا: الايمان بين الخوف والرجاء یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کریم کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ میں نے سب لوگوں کو بخش دیا سوائے ایک آدمی کے تو خوف آتا ہے کہ کہیں وہ ایک آدمی میں ہی نہ ہوں۔ اور اگر اللہ کریم کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ تمام لوگ گرفتار عذاب ہوئے سوائے ایک آدمی کے تو مجھے امید رہتی ہے کہ شاید وہ اکیلا آدمی میں ہوں۔

جن لوگوں پر امید، خوشی اور ترنگ کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ خوف خدا نام کی چیز سے ہی آشنا نہیں رہتے۔ ایسے لوگ سخت خطرے میں مبتلا ہوتے ہیں۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انما الاعمال بالخوائیم یعنی اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۷۸)۔

اولیاء اللہ خواہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کر لیں انہیں اس بات کا خوف رہتا ہے کہ خدا جانے موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب ہوگا کہ نہیں۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہی خوف ان کا خاتمہ بالا ایمان ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

دراصل صوفی جب کسی چیز کے لیے متفکر ہوتا ہے تو اس فکر کی وجہ سے ایک توجہ قائم ہو

جاتی ہے جس سے کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: قل یا عبادى الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً یعنی فرما دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے (الزمر ۵۳: ۳۹)۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک قصہ گو آدمی وعظ کر رہا تھا اور وہ لوگوں کو آگ اور طوق سنارہا تھا۔ آپ نے فرمایا: یا مذکر لم تقنط الناس؟ پھر یہ آیت پڑھی یا عبادى الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله (بغوی جلد ۴ صفحہ ۸۳)۔

حضرت امام قشیری علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

یا عبادى کہہ کر پکارنا مدح ہے اور الذین اسرفوا کہہ کر پکارنا ذم ہے، جب فرمایا یا عبادى تو اطاعت گزاروں نے خود کو اس کا مخاطب سمجھا اور اپنے سر اٹھائے۔ گناہگاروں نے اپنے سر جھکا لیے اور کہنے لگے کہ ہم کون ہوتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کہہ کر پکارے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے الذین اسرفوا کے الفاظ فرمائے تو صورت حال بدل گئی اور انجام کچھ اور ہی نکلا۔ جن لوگوں نے اپنی گردنیں جھکا لی تھیں وہ عیش و عشرت کراٹھے، ان کی خطائیں خطا ہو گئیں۔ جن لوگوں نے اپنے سر اٹھائے تھے ان کی گردنیں جھک گئیں اور ان کا مان ٹوٹ گیا لہذا قال الله تعالى الذین اسرفوا انقلب الحال وتقلب المال فالذین نکسوا رؤسهم عشعشوا زلت زلتهم، والذین رفعوا رؤسهم اطرقوا وارتفعت صولتہم (الزبدۃ العمدۃ صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے یہ بات اپنی کتاب الزبدۃ العمدۃ فی شرح القصیدۃ البردۃ میں جس شعر کی شرح میں نقل کی ہے وہ شعر یہ ہے:

یا نفس لا تقنطی من زلة عظمت

ان الكبائر فی الغفران كاللحم

ترجمہ:- اے دل، اپنے بڑے بڑے گناہوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو، بے شک بڑے گناہ بھی بخشش کے سامنے چھوٹی خطاؤں کی طرح ہوتے ہیں۔

غلغل تسبیح شیخ از چند مقبول است لیک

آہ درد آلود رنداں راقبولے دیگر است

ترجمہ:- شیخ کی تسبیح کا غلغلہ بلاشبہ مقبول ہے لیکن رندوں کی درد بھری آہ کی قبولیت کی شان دوسری ہے۔

آنجا کہ زاہداں ہزارار بعین رسد

مست شراب عشق بیک آہ می رسد

ترجمہ:- زاہد لوگ چالیس ہزار سال کی عبادت سے جس مقام تک پہنچتے ہیں، مست شراب عشق ایک آہ سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے تھے۔ پھر توبہ کے ارادے سے ایک راہب کے پاس گیا اور کہنے لگا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا اور سو پورے کر لیے۔ پھر اس نے لوگوں سے سب سے بڑے عالم کا پتا پوچھا۔ اس سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، کون ہے جو اللہ اور توبہ کے درمیان حائل ہو سکے؟ فلاں علاقے میں جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں رہتے ہیں، انکے ساتھ اللہ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے کی طرف کبھی نہ لوٹنا، وہ برائی کی زمین ہے۔ وہ شخص چل پڑا، راستے میں اسے موت آ گئی، رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کرنے چلا تھا، اللہ کی طرف اپنے دل کو پھیر لیا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ انکے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ آیا اور فیصلہ دیا کہ زمین کو ناپ لو، یہ جس زمین کے قریب ہے اسی زمین

کا سمجھا جائے۔ انہوں نے زمین کو ناپا تو وہ اللہ والوں کی زمین کے قریب تھا۔ رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ نے برائی کی زمین کو حکم دیا کہ دور ہو جا، اور نیکی کی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہو جا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۳، ۴۹۴، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ کا کچھ حصہ زمین پر پھیلا دینا اور کچھ حصہ دریا میں ڈال دینا۔ اللہ کی قسم اگر میں اللہ کے قابو میں آ گیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ سارے جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہو۔ جب وہ بندہ مر گیا تو گھروالوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ اللہ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے اس کے اجزاء اکٹھے کر دیے اور دریا کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کے اجزاء اکٹھے کر دیے۔ پھر اس سے پوچھا تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے عرض کیا اے میرے رب تیرے خوف کی وجہ سے، تو خود اچھی طرح جانتا ہے۔ اللہ نے اسے بخش دیا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۷)۔

ایک مرتبہ حضرت قطب الاقطاب پیر سائیں مفتی محمد قاسم مشوری قدس اللہ سرہ الاقدس اپنے آستانہ عالیہ مشوری شریف میں پچھلے دروازے ”بابِ ساقی“ سے جلوہ گر ہوئے۔ ایک فقیر پاؤں پر گر پڑا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کچھ اس انداز سے کرنے لگا کہ سب حاضرین بھی رونے لگ گئے۔ آپ نہایت تحمل سے اسکی آہ وزاری سنتے رہے۔ جب اسکے آنسوؤں کا تلاطم کچھ تھما تو آپ نے صرف ایک بات فرمائی اور فوراً واپس تشریف لے گئے۔ فرمایا: ”درمت چھوڑنا“۔

اے اللہ کریم! اس عاجز مسکین، روسیہ اور ذلیل و خوار سے ان بزرگوں کے طفیل در گزر فرما۔ ہمیں کبھی نہ آزمانا، ورنہ ہم ہرگز پورے نہ اتر سکیں گے۔ ہمیں ”در نہ چھوڑنے“ کی توفیق عطا فرما اور استقامت کی دولت سے مالا مال فرما۔ آمین

تیسرا باب

اصلاحِ نفس

نفس کے معنی

نفس کے لفظی معنی ہیں ”جان“۔ نفس درحقیقت کس چیز کا نام ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ یہ جسم اور روح کے علاوہ کسی تیسری چیز کا نام ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ روح جب اس جسم میں داخل ہوئی تو انسانی عوارض لاحق ہونے کے بعد نفس کہلائی۔ چنانچہ قرآن شریف میں: اللہ یتوفی الانفس اور دوسری جگہ یا یتھا النفس المطمئنة وغیرہ آیات میں روح کو ہی نفس فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

نفس کی اقسام

سیدنا غوث اعظم و قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ الاقدس نے اپنی کتاب ”سر الاسرار“ میں نفس کی آٹھ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے صرف تین موٹی موٹی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔ انہی تین اقسام کو اکثر بزرگوں نے بیان فرمایا ہے:

(۱)۔ نفس امارہ (۲)۔ نفس لوامہ اور (۳)۔ نفس مطمئنہ۔

(۱)۔ نفس امارہ

یہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں نفس ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اس کا مطیع انسان

معاشرے کا ناسور ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ان النفس لامارة بالسوء (یوسف ۵۳: ۱۲) ”بلاشبہ نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے“۔ اس آیت میں ان، لام اور امارہ (بروزن فعالہ) کے ذریعے تین تاکیدات موجود ہیں۔ اس سے شرِ نفس کی اہمیت خوب واضح ہو رہی ہے۔ انسان پر اس کا نفس تین طرح سے حملہ آور ہوتا ہے۔

۱۔ مخالفانہ حملہ:- اس کا مخالفانہ حملہ یہ ہے کہ انسان کو نیکی سے روکتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ سے روکنا، فحاشی اور بے حیائی پر آمادہ کرنا وغیرہ۔ نفس کا یہ حملہ آسانی سے ہر کسی کو سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۲۔ موافقانہ حملہ:- اس کا موافقانہ حملہ یہ ہے کہ انسان کو نیکی سے صاف صاف نہیں روکتا بلکہ نیکی کے ہمراہ انسان کی نیت میں فتور ڈال دیتا ہے۔ اور اس نیکی کو الٹا گناہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مثلاً مجاہد کے دل میں بہادر کہلانے کا جذبہ، عالم کے دل میں حضرت علامہ کہنے کا ولولہ، اور سخی کے دل میں حاتم طائی کہلانے کا شوق پیدا کر دیتا ہے۔ نماز پڑھا کر تکبر کراتا ہے۔ اور تسبیح پکڑا کر ریا کاری پیدا کرتا ہے۔ الغرض یہ انسان کے اعمال کو برباد کرنے کا کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بلا کر اس سے پوچھے گا تو نے دنیا میں کیا عمل کیے۔ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں مال خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا تو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں، لوگوں نے تجھے سخی کہا، تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا، پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرے شخص سے پوچھے گا تو نے کیا عمل کیا، وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا۔ اللہ فرمائے گا، تو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں، لوگوں نے تجھے عالم کہا، تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرے شخص سے پوچھے گا تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ لوگوں نے تجھے بہادر کہا۔ تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا“ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)۔

آپ نے دیکھا کتنے عظیم کارناموں کو نفس کے عمل دخل نے عذابِ جہنم بنا کر رکھ دیا۔ نفس کی باریک شرارتوں کا علاج سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے سیکھیے۔ آپ ﷺ کا فر کے سینے پر سوار تھے۔ کہ اس نے آپ کے چہرہ انور پر تھوک دیا۔ آپ ﷺ نے اسے فوراً چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ اب درمیان میں نفس اور ذاتیات آچکی تھی (مرقاۃ جلد ۷ صفحہ ۵۱)۔

نفس کے اس حملے کی اہمیت کے پیش نظر ہم چند مزید مثالوں سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) ”حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اتارا گیا تو کچھ ہرن آپ کی زیارت کے لیے گئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کی پشت پر ہاتھ مبارک پھیرا اور دعا دی۔ جسکی برکت سے ان کی ناف میں کستوری پیدا ہو گئی۔ جب ہرن واپس اپنے جنگل میں گئے تو وہاں دوسرے ہرنوں نے اس خوشبو کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ خوشبو ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت سے نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ تمام ہرن بھی اسی شوق میں حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے ہاتھ پھرایا اور دعا لی۔ مگر ان کی ناف میں کستوری پیدا نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنے ہرن بھائیوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کستوری کیوں ملی اور ہمیں کیوں نہ ملی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اصل قصور تمہاری نیت کا ہے۔ تم محض کستوری لینے گئے تھے، جبکہ ہم محض زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے“ (سبحان اللہ)۔

(ب) ”بنی اسرائیل کا ایک نیک شخص گھر سے آری لے کر ایک ایسے درخت کو کاٹنے کے لیے نکلا جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ راستے میں اس کی ملاقات شیطان سے ہو گئی۔ شیطان نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے اس کا راستہ روکا۔ دونوں لڑ پڑے۔ نیک آدمی نے شیطان کو پچھاڑ دیا۔ شیطان نے ہار مان لی۔ کھڑے ہو کر اس نے ایک مخلصانہ مشورہ دیا کہ تم اگر اس درخت کو کاٹ دو گے تو جاہل لوگ کسی دوسرے درخت کو پوجنا شروع کر دیں گے۔ بہتر ہے تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس کے عوض میں تمہیں روزانہ دو روپے دیا کروں گا۔ تم انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی عاقبت

سنوارتے رہنا۔ نیک آدمی کو شیطان کی بات معقول لگی۔ وہ واپس چلا گیا۔ ایک دو دن تک انتظار کیا۔ شیطان نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ اس پر نیک آدمی کو غصہ آیا اور دوبارہ آری اٹھا کر چل پڑا۔ راستے میں پھر شیطان سے لڑائی ہوئی۔ مگر اب کی بار شیطان نے اسے پچھاڑ دیا۔ نیک آدمی نے بار مان لی۔ کھڑے ہو کر پوچھنے لگا آج تم میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی۔ اس نے کہا میری طاقت تو اسی قدر ہے مگر آج تیرے اندر وہ اخلاص نہیں ہے جو اس روز تھا۔ اس روز تو خدا کی خاطر لڑا تھا۔ مگر آج دور روپے کی خاطر لڑا ہے (احیاء العلوم صفحہ ۱۸۴)۔

(ج) اللہ کے ایک ولی نے اپنے نفس پر ایسا غلبہ حاصل کیا کہ اسے کتے کی شکل میں رسی ڈال کر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک روز اسے کسی آدمی نے مشورہ دیا کہ آپ فلاں عورت سے نکاح کر لیں۔ عورت بہت خوبصورت تھی۔ اللہ کے ولی نے یکسر انکار کر دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ نکاح سنت ہے اور آپ سنت سے بھاگ رہے ہیں؟ اللہ کے ولی نے سوچا واقعی نکاح سنت ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے فوراً بعد اسے یہ بھی خیال آیا کہ ”عورت ہے بھی خوبصورت“ جب تک وہ یہ سوچ رہا تھا کہ نکاح سنت ہے۔ رسی اس کے ہاتھ میں تھی اور کتا موجود رہا۔ لیکن جیسے ہی یہ سوچا کہ ”عورت ہے بھی خوبصورت“ رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور کتا غائب ہو گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ انسان کے لیے سخت ضروری ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ اور ایک لمحہ بھی اس کی جانب سے متساہل اور غافل نہ ہو۔ اپنے نفس سے کسی رحم کی امید نہ رکھے۔ نفس بیماری، پریشانی اور مصروفیت کا لحاظ نہیں کرتا۔ بلکہ ہر گھڑی ہر لمحہ امارۃ بالسوء ہے۔

نفس اس قدر مکار اور چال باز ہے کہ کبھی برائی کے روپ میں آتا ہے اور کبھی نیکی کے رنگ میں۔ کبھی انسان کے دل میں تکبر پیدا کرتا ہے اور کبھی عاجزی کے لبادے میں عین تکبر کا ارتکاب کراتا ہے۔ اگر عاجزی کرنے والے کو یہ خیال آ جائے کہ مجھ میں بڑی عاجزی ہے تو یہ عین تکبر ہوا۔ اسے اخلاقیات کی اصطلاح میں ”عُجْب“ کہتے ہیں۔ نفس کی عاجزی بھی اس کی

شرارت ہے اور اس کا تکبر بھی اس کی شرارت ہے۔ نفس کا ریا بھی اس کی مکاری ہے اور اس کا اخلاص بھی اس کی واردات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا ضروری ہے۔ وہ اپنے نفس کا پیچھا کرتے کرتے کبھی عاجز معلوم ہوتے ہیں اور کبھی بظاہر متکبر نظر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مرید کی عاجزی سے اس کے مرشد کا تکبر بہتر ہے اور مرید کے اخلاص سے اس کے مرشد کا ریا بہتر ہے۔ مرید کی جہالت بھی مرید کے لیے حجاب ہے اور مرید کا علم بھی مرید کے لیے حجاب ہے۔ اس کی غفلت بھی اس کے لیے حجاب ہے اور عین ممکن ہے کہ اس کا ذکر و فکر بھی ایک وقت میں اس کے لیے حجاب بن جائے۔ ان باتوں کو اس راستے کا مسافر ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

شیخ کی کوئی بات اگر بظاہر نامناسب اور سمجھ سے بالاتر لگے تو مرید کو چاہیے کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد کر لے جو قرآن شریف کی سورہ کہف میں بیان ہوا ہے۔

اگر شیخ وقتی طور پر مطالعہ کتب اور تبلیغ دین سے منع کرے تو مرید کو چاہیے کہ شیخ کے حکم پر عمل کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں مرید کے نفس کی اصلاح ہو۔ مرشد جانتا ہے اور مرید نہیں جانتا۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ”اپنی نیکیوں پر تکبر کرنے والے نیک آدمی سے وہ گنہگار بہتر ہے جو اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو۔“

بعض لوگ اپنے شیخ اور پیر بھائیوں کی صحبت میں بیٹھ بیٹھ کر مجموعی تعلیم پر کامل طور پر عمل پیرا ہونے کی بجائے صرف ایسے ایسے نکتے پکڑ لیتے ہیں جو ان کے نفس کی خواہش کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ انہیں اچھا لباس اور خوشبو لگانا مرشد کی سنت نظر آتا ہے۔ مگر تہجد پڑھنا اور اللہ کی راہ میں سرکا نذرانہ پیش کرنا مرشد کی سنت نظر نہیں آتا۔

ان کے ہاں بد اخلاقی کا نام جلال ہوتا ہے، سستی اور کاہلی کا نام بے نیازی ہوتا ہے،

جہالت کا نام فقیری ہوتا ہے، ترک شریعت کا نام فنائیت ہوتا ہے، نئے طالب کو ایک ہی بات بتانے کی بجائے بھانت بھانت کی بولیاں سنا کر پریشان کرنے کا نام فقراء کی صحبت اور اللہ کے اسرار کو گلی کو چوں میں بیان کر کے عشق حقیقی کو رسوا کرنے کا نام حق گوئی اور سخاوت ہوتا ہے۔

حالانکہ سنجیدگی اور ہر وقت اپنے نفس کی کڑی نگرانی فقر کا طرہ امتیاز ہے۔ فقیر کا نفس کے ساتھ مقابلہ مرتے دم تک جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اس کا نفس مر بھی جاتا ہے تو اسے دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ حضور سیدنا غوث اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب نفس جہاد میں قتل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی پاتا رہے۔ یہی معنی ہیں اس حدیث شریف کے رجعنا من الجہاد الا صغر الی الجہاد الا کبر کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں (فتوح الغیب مقالہ ۶۷ کا حاصل)۔

نفس کے ان موافقانہ حملوں کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ کسی بندے کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے نفس کے عیب نظر آنے لگتے ہیں“۔

۳۔ منکرانہ حملہ:- نفس کا منکرانہ حملہ یہ ہے کہ یہ انسان سے خدائی، نبوت، مسیحیت، اور مہدویت کا دعویٰ کراتا ہے۔ ایسا نفس رکھنے والوں کو شیطان نہایت خوبصورت اور دل فریب دلائل کے ذریعے امداد دیتا ہے۔ اور ایسے زبردست مضامین فراہم کرتا ہے کہ کڑی کے ساتھ کڑی ملتی چلی جاتی ہے اور انسان آگے سے آگے بھٹکتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان ایسے لوگوں کی طرف باقاعدہ وحی بھی کرتا ہے۔ مگر وہ وحی شیطانی کو وحی ربانی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے بعد تمام مدعیان نبوت و مسیحیت کو یہیں سے ٹھوکر لگی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الشیطن لیو حون الی اولیاءہم لیجادلو کم یعنی بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں (الانعام ۱۲۱)۔

مشائخ نے تصریح کر دی ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے اگر کوئی کرامت سرزد ہو جائے تو وہ دراصل کرامت یا معجزہ نہیں بلکہ استدراج

ہے جیسا کہ دجال کے ہاتھ سے اس کا صدور ہوگا (الانوار القدسیہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ از امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ)۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کی کوئی حد نہیں۔ (۱) اللہ کی معرفت کی کوئی حد نہیں۔ (۲) نبی کریم ﷺ کے درجات کی کوئی حد نہیں، (۳) نفس کی مکاریوں کی کوئی حد نہیں۔

نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکنی الی نفسی طرفۃ عین و اصلح لی شأنی کلہ یعنی اے حی و قیوم میں تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں مجھے ایک لمحہ بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرے تمام معاملات سنوار دے۔

(۲)۔ نفسِ لواامہ

لواامہ کا معنی ہے ملامت کرنے والا۔ یعنی یہ نیک بننے کی کوشش کرتا ہے مگر پھر بھی اس سے خطا سرزد ہو جاتی ہے۔ اور جب خطا سرزد ہو جائے تو یہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے۔ اپنی غلطی پر توبہ کرتا ہے اور آئندہ اس سے باز رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کریم کو نفس کی یہ حالت بہت پسند ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں نفسِ لواامہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا: ولا أقسم بالنفس اللوامة یعنی اور میں ضرور نفسِ لواامہ کی قسم اٹھاتا ہوں (القیامۃ ۷۵: ۲)۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرم علیہم الرضوان سے پوچھا کہ اگر ایک شخص اونٹ پر سفر کرتے کرتے جنگل میں آرام کرنے کے لیے رکے اور سو جائے۔ جب جاگے تو اس کا اونٹ غائب ہو چکا ہو۔ کھانے پینے کا سامان اونٹ پر ہی ہو۔ وہ آدمی اونٹ کو تلاش کرتے کرتے تھک جائے اور بالآخر موت کے انتظار میں ایک جگہ لیٹ جائے کہ اتنے میں اچانک اسے اونٹ نظر آ جائے تو بتاؤ اس آدمی کو کتنی خوشی ہوگی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! انتہا کی خوشی ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۲)۔

یہ نفس طریقت کے طالب کا ہوا کرتا ہے جو ابھی سیڑھیوں پر چڑھتا اور ان پر سے گرتا

رہتا ہے۔ اس کا چڑھنا بھی اس کے لیے سعادت ہے اور اس کا گرنے کے بعد توبہ کرنا بھی اس کے لیے خوش نصیبی ہے۔ اللہ کریم سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک مرتبہ ایک آدمی کعبہ میں بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کے آگے بیٹھا اللہ کی بارگاہ میں اعترافاتِ خطا اور عاجزی میں مصروف ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ باری تعالیٰ! مجھ جیسا گناہ گار اور خطا کار اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ایسے ایسے ظلم کیے ہیں کہ اب تیرے فضل و عنایت کے سوا میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اس شخص نے سوچا میں آگے بڑھ کر دیکھوں تو سہی یہ شخص کون ہے اور آخر اس نے ایسا کونسا ظلم کر لیا ہے۔ جب وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سید السادات حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تھے (یہ عاجزی آپ اپنے مقام کے لحاظ سے کر رہے تھے)۔

اللہم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد وعلی

الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ اجمعین

ایک مرتبہ اللہ کے کسی ولی سے ایسی خطاء سرزد ہو گئی کہ اس نے سوچا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس خیال سے وہ مسجد و حجرہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ کسی شہر کی ایک گلی میں اس نے ایک منظر دیکھا۔ ماں نے اپنے بچے کو کسی غلطی پر مارا اور گھر سے نکال دیا۔ بچہ بے چارہ گھر کی دہلیز پر ہی بیٹھ گیا اور بیٹھا بیٹھا سو ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد ماں نے اندر سے دروازہ کھولا تو بچہ اندر کی طرف گر گیا۔ ماں نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ وہ اسے چوم رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرے بچے! تو دروازے پر ہی سویا پڑا تھا؟ بھرے شہر میں میرے بچے کا اپنی ماں کے سوا کوئی نہ تھا جس کے ہاں روٹھ کر چلا جاتا۔ تیری کوئی خالہ پھوپھی ہوتی تو تو اس کے ہاں چلا گیا ہوتا۔ اللہ کے ولی نے یہ منظر دیکھا تو فوراً واپس چلا گیا۔ اللہ کے گھر میں حاضر ہو گیا اور آئندہ لاکھ خطاؤں کے باوجود اللہ کا در نہ چھوڑنے کا تہیہ کر لیا۔

اللہ کریم اپنے بندوں سے ان کی ماں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ بندے کی ہر خطاء کے بعد اس کی توبہ کا منتظر رہتا ہے۔ اور جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کریم آدھی بار بھی بے رنجی نہیں

فرماتا۔ والدین اپنی اولاد کی نافرمانیوں سے تنگ آ کر انہیں عاق بھی کر دیا کرتے ہیں۔ مگر اللہ کریم نے توبہ کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے۔

سبحن اللہ علیٰ عفوہ بعد قدرتہ و علیٰ حلمہ بد علمہ

وہ ایسا عفو و کریم ہے کہ معاف کرتے کرتے ٹھکتا ہی نہیں۔ بالآخر گناہ گار و خطا کار کو ہی کہنا پڑتا ہے کہ:

بڑی دور پہنچے جفا کرتے کرتے
انہیں ساتھ پایا وفا کرتے کرتے
ابھی تک انہیں کچھ بھی پرواہ نہیں تھی
ہی تھک گئے تھے خطا کرتے کرتے

(۳)۔ نفسِ مطمئنہ

جب انسان ہدایت پر مستقیم ہو جائے اور صرف اچھائی کے راستے پر گامزن ہو جائے تو اس کا نفس، نفسِ مطمئنہ کہلاتا ہے۔ یہ نفس اولیاءِ کاملین اور انبیاء علیہم السلام کا نفس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي یعنی اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا (الفجر: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نفسِ مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں اس طرح مطمئن ہے جیسے مچھلی پانی میں مطمئن ہوتی ہے۔ یہ اطمینان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک نفسِ امارہ والی گھٹیا صفات زائل نہ ہو جائیں اور یہ رذیل اور گھٹیا صفات اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتیں جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلی نہ پڑے اور نفس اللہ کی صفات میں فنا ہو کر اسی کی صفات میں باقی نہ ہو جائے۔ ایسا نفس صحیح معنی میں مومن ہوتا ہے۔ اسکی مثال ایسے ہی ہے جیسے کتا اس وقت تک پاک

نہیں ہو سکتا جب تک نمک میں گر کر اسی میں فنا ہو کر نمک کی صفات کے ساتھ بقا حاصل کر کے حلال اور طیب نہیں ہو جاتا۔ (یہ ایک فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کتنا نمک کی کان میں گر کر عرصہ دراز تک پڑا رہنے سے مکمل طور پر نمک میں تبدیل ہو جائے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اب اسکا نمک کے طور پر استعمال جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ کتنا نہیں رہا بلکہ نمک بن گیا ہے۔ مؤلف (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱)۔

طالب طریقت کے لیے اپنے نفس کے شر سے چھٹکارا پانے کا بہترین ذریعہ تصورِ شیخ ہے۔ اپنے مرشد کا تصور مقصود اللہ کے طور پر نہ صرف جائز بلکہ بہت اہم چیز ہے۔

چرخہ بولے سائیں سائیں بیڑ بولے تو
کہے حسین فقیر سائیں دامیں ناہیں سب تو

محاسبے کا طریقہ

نیکی ہو یا گناہ، سب سے پہلے انسان کے دماغ میں اس کے بارے میں خیال پیدا ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد انسان اس خیال کے مطابق زبان یا ہاتھ (یا دیگر اعضاء) کا استعمال کرتا ہے۔ ان تینوں چیزوں کو نفس اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جس شخص نے ان تینوں سطحوں پر نفس کے فریب کو تار لیا اور اس کا تدارک کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ فلاح پا گیا۔ ذیل میں ہم ان تینوں سطحوں پر نفس پر قابو پانے کا طریقہ عرض کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

(۱) خیال:

(۱) اپنے بارے میں خیال: انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کم تر اور دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھے۔ اور اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کو جنم نہ لینے دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فلا تزکوا انفسکم یعنی اپنے آپ کو پاک مت سمجھو (یا ظاہر کرو) (النجم ۳۲:۵۳)۔

اور اگر دوسرے لوگ منہ پر تعریف کرنے لگ جائیں تو حدیث شریف میں ہے کہ:

اِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَاحِينَ فَاحْشَوْا فِى وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ لِعِنِّى جَبْتُمْ مِنْهُ بِرِ تَعْرِيفٍ كَرْنِ وَالْوَلَوْنَ كُو
دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۴)۔

مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی بات کو ہرگز اہمیت نہ دیں۔ بلکہ اسے ان کی چا پلوسی، غلط
فہمی، یا حسن ظن پر محمول کریں۔ اپنی ذات کی مکمل نفی کریں۔ ایسے موقع پر ذکر، استغفار اور لاجول
سے بھی کام نہ چلے اور اپنی نفی نہ ہو سکے تو تصورِ شیخ اس کا آخری اور کامیاب ترین علاج ہے۔
سعادت مند ہے وہ شخص جو تجربہ کاروں کے تجربے سے فائدہ اٹھائے اور نصیحت حاصل کرے۔

(ب) دوسروں کے بارے میں خیال: دوسروں کے بارے میں تجسس اور عیب جوئی کی
 بجائے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ لِغَىٰهِ زِيَادَةٌ
گمانی سے بچو (الحجرات ۴۹:۱۲)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے کعبہ! مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے شان اور
حرمت سے نوازا، ایک بندہ مومن کی حرمت تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔ اس کا مال اور خون بھی
تجھ سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے (ابن ماجہ)۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ دریا کے کنارے پر گئے تو وہاں ایک شخص
کسی عورت کی ران پر سر رکھ کر شراب کی بوتل میں سے گھونٹ لے رہا تھا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے
اسے دیکھا تو دل میں سوچا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے اس شخص سے بہتر بنایا ہے۔ اتنے میں
کشتی پر سوار پانچ آدمی دریا میں گر پڑے۔ وہ آدمی عورت اور بوتل کو وہیں چھوڑ کر بھاگا اور چار
آدمیوں کو دریا سے نکال دیا۔ ایک شخص باقی رہ گیا۔ اس آدمی نے آواز دی۔ اے حسن بصری!
تجھے خدا نے مجھ سے افضل بنایا ہے۔ چار آدمیوں کو میں نے پانی سے نکال دیا ہے۔ پانچویں کو تم
نکال دو۔ حضرت حسن بصری نے اسے فرمایا کہ پانچویں آدمی کو بھی تم ہی نکالو ورنہ وہ ڈوب جائے
گا۔ چنانچہ اس نے پانچویں آدمی کو بھی نکال دیا۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتایا کہ یہ
عورت میری ماں ہے اور اس بوتل میں شراب نہیں دودھ ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے دوسروں کی بات کو صحت پر لانے کی کوشش

کریں۔ اندازے اور تخمینے سے مفاہیم نکالنا معاشرتی فساد کی بہت بڑی بنیاد ہے۔ سیدھی بات کا الٹا مطلب نکالنا مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

(ج) دوسرے عام خیالات: انسان ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ ان خیالات کے سلسلے میں نفس کے پاس ایک وسیع میدان موجود ہے۔ انسان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، خاموشی، حتیٰ کہ ہر حرکت اور ہر سکون اس کے خیالات کے ماتحت ہے۔ پہلے خیال آتا ہے، پھر اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ ہر عمل کو کراماتین (فرشتے) لکھ رہے ہیں اور اسی پر قیامت کے دن جزا و سزا مرتب ہوگی۔

اب یہ کہنا درست ہوا کہ بنیادی طور پر سارے کھیل کا دار و مدار انسان کے خیال پر ہے۔ چوری، ڈاکہ، زنا اور غیبت وغیرہ کے بارے میں سب سے پہلے خیال ہی آتا ہے پھر انسان اس پر عمل کرتا ہے۔

لہذا خیالات پر نگران اور پہرے دار کا بیٹھنا سخت ضروری ہوا جو اس پر حذف و ترمیم (Sensorship) کا کام کرے۔ ورنہ اگر یہاں سے غلطی پاس ہوگئی تو اس کا زہر قیامت تک پھیل جائے گا۔ یہ پہرہ اجتناء مضبوط اور محتاط ہوگا اتنا ہی انسان نفس کے شر سے محفوظ رہ سکے گا۔ آپ اپنی سوچ کے بارے میں بھی سوچا کریں۔ اپنے خیالات کا بھی خیال رکھا کریں۔ ہر لحظہ اپنے خیالات کا محاسبہ کرنے کی کوشش کیجیے۔ کہیں آپ یہ بات نفس کی خواہش کی وجہ سے تو نہیں سوچ رہے؟ خیالات پر بیٹھنے والے اسی پہرے دار کا نام عقل ہے۔

یقیناً یہ کام آپ کو نہایت باریک اور بہت مشکل محسوس ہو رہا ہوگا۔ ہم مانتے ہیں واقعی یہ کام بڑا مشکل ہے۔ صرف ایک دن کوئی شخص یہ کام کر کے دیکھے۔ شام تک چھکے چھوٹ جائیں گے۔ لیکن خدا را اس کام کو مشکل سمجھ کر چھوڑ مت دینا۔ مت سمجھنا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اس مشقت طلب کام کی عظمت سے بے خبر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسی کام کو جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ: المجاہد من جاهد نفسه (مشکوٰۃ صفحہ ۱۵) بڑا مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔

اے اللہ کی راہ میں سرکٹانے کا شوق رکھنے والے نوجوان! تجھے یہ جذبہ شہادت مبارک۔ لیکن تیرے اس جہاد کی صحت بھی نفس کی اصلاح پر موقوف ہے۔ اگر جہاد کے پردوں میں نفس کی کوئی خواہش پوشیدہ نکل آئی تو یہ جہاد تیرے لیے مصیبت بن جائے گا۔ لہذا اپنے نفس کی اصلاح کر۔ پھر جہاد بالسیف میں کود جا۔ کیا تو نہیں چاہتا کہ جہاد اکبر میں حصہ لے اور میدانِ فنا کا قاتیل بن کر تمغہ بقاء حاصل کرے؟

نفس کی مخالفت سے ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ نفس، معرفتِ خداوندی کی ضد ہے۔ اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ ”جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا“۔ اس پر عمل کر کے دیکھو۔ سمجھتے چلے جاؤ گے۔ مگر یاد رکھنا! شیخ کامل کی راہبری کے بغیر اس راستے کا مسافر کبھی منزل آشنا نہیں ہو سکتا۔

خیالات پر بیٹھنے والے پہرے کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ”اگر تیرے خیال میں اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر اچھائی سے رکنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو، خیر اور شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے“ (الوصیۃ صفحہ ۴)۔

(۲) زبان:

خیال کے بعد زبان کا نمبر آتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ زبان پر بھی اپنی سوچ کا پہرا بٹھائے۔ اور مکمل نگرانی کے بعد زبان کو کھولے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مومن کی زبان اس کے دماغ کے ماتحت ہوتی ہے۔ جبکہ منافق کی زبان اس کے دماغ سے آگے نکل جاتی ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ زبان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے دانتوں اور دو ہونٹوں کے ذریعے پابند کر دیا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی تمام تالے توڑ دیتی ہے اور فضول باتیں کرتی ہے۔

(۳) ہاتھ:

خیال اور زبان کے بعد ہاتھوں اور دیگر اعضاء کا نمبر آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان ﴿﴾ نظر رہیں۔“ اس حدیث شریف میں مذکورہ بالا ترتیب موجود ہے۔ یعنی پہلے زبان اور پھر ہاتھ۔ جو شخص کم از کم اپنے ہاتھوں پر کنٹرول کرے وہ اچھا مسلمان ہے۔ زبان پر کنٹرول حاصل کر لینا عالمانہ شیوہ ہے اور خیال پر کنٹرول کر لینا ولایت ہے۔

آپ ہر بات اور ہر کام سے پہلے تھوڑا ٹھہر جایا کریں۔ صرف ایک یا دو سیکنڈ کا وقفہ اور تامل درکار ہے۔ اپنے آپ سے پوچھ لیں کہ میں کیا کرنے لگا ہوں اور کیوں کرنے لگا ہوں؟ اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمانا شروع کر دے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخرت کے امور کے سوا ہر کام میں سوچ بچار اور سردمزا جی (Coolmindedness) بہتر ہے (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۰)۔ نیز فرمایا: جلدی شیطان کی طرف سے ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۹)۔

اللہ کریم ہم سب کو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنے اور اس کے شر سے ﴿﴾ نظر رہنے اور اپنی ذات کی نفی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حدیث شریف میں ہے: طوبی لمن شغل عیبه عن عیوب الناس یعنی خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو اپنے نفس کے عیب دیکھنے سے فارغ ہی نہ ہوا کہ دوسروں کے عیب دیکھتا (بلوغ المرام صفحہ ۱۷۰)۔

نفس کی اصلاح پر ایک اور مقالہ

انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔ نفس ہر موقع پر وار کرنے سے باز نہیں آتا اور کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔ ہمارے روحانی بھائی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم نے اپنے نفس سے پوچھا کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اس نے کہا یہ میری ڈیوٹی ہے۔ تمہارا کام ہے میرا مقابلہ کرنا، جب کہ تم اپنی ڈیوٹی نہیں دے رہے اور میں اپنی ڈیوٹی مکمل دے رہا ہوں۔

فقیر راقم الحروف سے اسکے استاد صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ لو۔ فقیر نے عرض کیا کچھ نہیں پوچھنا۔ انہوں نے فرمایا کبھی کبھی استاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ فقیر نے عرض کیا میرا اللہ کے سوا کسی سے سوال کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ سب آپ کی محنت ہے کہ آپ نے فقیر کو اس نوبت تک پہنچایا۔ وہ فقیر کا یہ جملہ سن کر راضی ہوئے۔ آج بھی فقیر انکے لیے دعا گو ہے اللہ تعالیٰ انکے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے آمین۔


کچھ دیر کے بعد استاد محترم علیہ الرحمہ مسجد شریف میں فقیر کے ساتھ کچھ فاصلے پر لیٹ گئے اور فقیر کو سنا سنا کر یہ دعا گنگنا کر پڑھنے لگے۔

رب لا تکلنی الی نفسی فانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی الی الشر
وتباعدنی من الخیر یعنی اے میرے رب مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔ اگر تم نے مجھے
میرے نفس کے حوالے کر دیا تو یہ مجھے شر کے قریب لے جائے گا اور خیر سے دور کر دے گا۔

چند سال قبل فقیر کے پاس آخری ملاقات کے لیے سرگودھا میں تشریف لائے تو فرمایا:
طریقت کے موضوع پر کتاب لکھو۔ یہ کتاب ”اسرار السلوک“ انہی کے تاکید پر فرمان کا نتیجہ ہے۔

امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے کسی نے پوچھا ما الوصل وصل کیا ہے؟
فرمایا: ترک ارتکاب الہوی خواہشات کا ترک کرنا وصل ہے (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۳)۔

بندہ جب اپنی ہمت لگا کر نفس کا مقابلہ کرتا ہے تو بار بار جنگ کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں بہت وقت لگ جاتا ہے۔ اس کا صحیح طریقہ تسلیم ہے تاکہ مراد حاصل ہو جائے (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۴)۔

در اصل جب تسلیم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو عصمت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور بندہ
خدا کی حفاظت میں رہ کر مجاہدے کے مقابلے میں زیادہ  ہو جاتا ہے اور نفسانی آفات کو فنا کر
کے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مکھی کو لاشی سے بھگانے کی بجائے جھاڑو سے
بھگانا آسان ہے (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۴)۔

حضرت پیر سائیں محمد راشد روئے دھنی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اگر طالب

ایک قدم اپنے نفس پر رکھے تو دوسرا قدم اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔

طالب تقدیر کی مخالفت کرتے کرتے اپنا وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ رضا پر راضی ہونے سے نفس مرجاتا ہے اور وصل نصیب ہو جاتا ہے۔

اے بھائی! تجھے تیرا نصیب مل کر رہے گا۔ جف القلم بما انت لاق تقدیر کا قلم فیصلہ لکھ کر خشک ہو چکا ہے (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۲۰)۔ چپ کر کے بیٹھ جا، تیرا نصیب تیری تلاش میں ہے۔

فقیر راقم الحروف ایک مرتبہ پشاور کے قریب اکبر پورہ میں ایک چشتی بزرگ حضرت پیر سید شمشاد علی شاہ صاحب کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ انہوں نے لکھ کر دیوار پر لگایا ہوا تھا۔ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے

اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے

یہ دو جملے اللہ کریم کی رضا پر راضی رہنے کی جہت سے ہیں نہ کہ جبری عقیدہ کے لحاظ سے۔

رضا کو اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کسی کے ساتھ گفتگو میں پہل نہ کرے، کوئی کہے کھڑے ہو جاؤ تو یہ کھڑا ہو جائے اور اگر کوئی کہے بیٹھ جاؤ تو یہ بیٹھ جائے۔ جب تک کسی کی بات شریعت کے خلاف نہ ہو، سب اللہ کی طرف سے سمجھے۔ اپنی رائے کا دخل نہ دے۔ لوگوں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑائے، جب اسے دو کاموں میں سے ایک کا اختیار ملے تو آسان کام کو اختیار کر لے۔

حضرت ابوعلی ابن کاتب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب دل میں خوف جاگزیں ہو جائے تو پھر زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو ضروری ہوتی ہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۸۴)۔

حضرت ابو محمد اجریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انصاف اور ادب یہ ہے کہ وہ شخص جو علم معرفت میں بلند مرتبہ رکھتا ہو، اس علم کے متعلق اس وقت تک بات نہ کرے جب تک کہ کوئی اس سے سوال نہ کرے۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بات کرنا صرف اس شخص

کے لیے جائز ہے جسے خاموش رہنے پر عذاب کا خطرہ ہو (کتاب الجمع صفحہ ۲۶۸)۔
 حضرت سہل بن عبد اللہ تستری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ہر وہ فعل جسے انسان نبی کریم
 رؤف رحیم ﷺ کی اقتداء کے بغیر کرے، خواہ وہ عبادت ہو یا کوئی اور، وہ نفس کی زندگی ہے۔ اور ہر وہ
 فعل جسے انسان حضور ﷺ کی اقتداء میں کرے وہ نفس کے لیے عذاب ہے (رسالہ قشیریہ
 صفحہ ۱۴۲)۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد والہ وسلم

روحانی و اخلاقی بیماریاں اور ان کا علاج

طالب پر لازم ہے کہ مختلف اذکار و افکار اور مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق
 اپنے نفس کی شرارتوں کی اصلاح پر مکمل توجہ دے اور اپنی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا علاج
 کرے۔

ریاء کاری ایسا مرض ہے جو روحانیت کا شرک ہے، اسے شرک خفی کہتے ہیں۔ اس کا
 الٹ اخلاص ہے۔ طالب کو چاہے کہ کوئی بھی عبادت لوگوں کو دکھانے کی غرض سے اور اچھا آدمی
 کہلانے کی نیت سے نہ کرے۔ بعض لوگ ریاء کے خوف سے نیکی کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ریاء
 کاری سے بھی بڑی حماقت ہے۔ عبادت اور نیکی کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی نیت کو درست
 کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سورۃ اخلاص ایک تسبیح روزانہ پڑھنے سے یا پھر یا واحد چار ہزار
 مرتبہ روزانہ پڑھنے سے اخلاص کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات طالب کو اپنے ذکر فکر اور مراقبے پر تکبر آنے لگتا ہے بعض لوگوں کو علم پر
 تکبر آتا ہے اور بعض لوگ اپنے پیر بھائیوں کی راہنمائی کرتے کرتے تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔
 یہ سارے اچھے کام بدستور کرتے رہنا چاہیے اور تکبر کی نفی کرنے کے لیے تصور شیخ کو مضبوط کرنا
 چاہیے اور اپنی نفی کرنی چاہیے۔ تکبر کا بہترین علاج فنایت اور اپنی نفی ہے۔

جب انسان کسی طرح تکبر سے جان چھڑا لیتا ہے تو اس تکبر کی نفی میں کامیاب ہونے
 پر بھی اس کو تکبر آنے لگتا ہے۔ ایسے تکبر کو اخلاقیات کی زبان میں عُجب کہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ

ہے کہ انسان اپنی اوقات کو یاد کرے۔ انسان محض گندے پانی کا ایک قطرہ ہی تو ہے۔

تکبر ہی کی ایک شاخ خودنمائی بھی ہے۔ بعض طالب خودنمائی کی غرض سے اپنے مکاشفات و مشاہدات سر عام بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور طریقے طریقے سے اپنی کرامات تک بیان کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ خودنمائی کی غرض سے اللہ کے راز لوگوں میں بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ بعض لوگ کم ظرفی اور عدم برداشت کی وجہ سے زبان کھول بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں طریقت کے سنجیدہ طالبوں کے لیے ممنوع ہیں۔ خودنمائی کا کیڑا طالب کے دماغ سے بڑی دیر کے بعد نکلا کرتا ہے۔ اس کا علاج خاموشی اور مستور الحالی ہے۔

بعض طالبوں کو اپنے پیر بھائیوں پر حسد آنے لگتا ہے۔ حسد ایسی بھیٹی ہے جو تمام نیکیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ حسد کرنے والا فقیر راہ سلوک میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا آدمی نہ صرف اپنا ذاتی نقصان کرتا رہتا ہے بلکہ پوری جماعت کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ وہ دین کے کاموں میں بھی روڑے اٹکانے سے باز نہیں آتا۔ وہ دین کی خدمت بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ دوسرے پیر بھائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کرتا ہے بعض اوقات کسی طالب کی اپنے کسی مخصوص پیر بھائی سے لگت بازی ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے پوری جماعت اور آستانے کا نقصان کرتے رہتے ہیں۔ طالب کی یہ حالت نہایت افسوسناک ہے اور یہ اس کی بد بختی کی انتہا ہے۔

حسد کا علاج رضا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہے اور یوں سوچے کہ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے بہت اچھا ہے۔ اپنے پیر بھائیوں پر حسد نہ کرے بلکہ ان کے لیے مزید ترقی کی دعا کرے۔ ایسی دعا کرنے سے دعا کرنے والے کا اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر حسد آ جائے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ اس حسد کے مطابق قدم نہ اٹھائے، زبان نہ کھولے اور حسد کے خبیث تقاضے پورے نہ کرے۔

غصہ ایک ایسا مرض ہے جو عقل کو کھا جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان غصے کے وقت خاموش ہو جائے۔ فوراً وضو کرے۔ اگر بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے اور اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے یا لیٹ جائے یعنی اپنی حالت بدل لے۔ مگر طریقت والوں کے لیے اس کا حتمی علاج بھی رضا

ہے۔ بعض اوقات ذکر کی کثرت سے بھی طالب کو جلال آنے لگتا ہے، اس کا علاج درود شریف ہے۔ مگر طالب کو چاہیے کہ اپنے نفس کی وجہ سے آنے والے غصے اور کثرت ذکر کی وجہ سے آنے والے جلال میں تمیز کرے۔

ایک اہم روحانی مرض غیبت بھی ہے۔ کسی کی غیبت کرنے سے اپنا نقصان ہوتا ہے اور جسکی غیبت کی جائے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اسے روحانی طور پر بھی ترقی مل جاتی ہے۔ لہذا طالب کو چاہیے کہ کسی کی غیبت نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اسکی غیبت کرے تو اسکا جواب نہ دے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ جس نے اس کے مخالفوں کے ذریعے اسکی ترقی کا بندوبست کر دیا۔

طالب طریقت پر لازم ہے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے۔ دوسرے کو اچھا اور شریف سمجھے اور اس کی شکل و صورت یا لباس یا ظاہری اطوار کو دیکھ کر اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی خیال قائم نہ کرے۔ بعض اوقات گودڑیوں میں بھی لعل ہوتے ہیں اور خدا جانے کوئی کس حال میں ہے۔ اپنے پیر بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ گمان ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کریم کے بارے میں بھی منفی طریقے پر سوچنا شروع کر دے تو اسے ہزار عیب اور خرابیاں نظر آنے لگیں گی نعوذ باللہ من ذالک اور اگر کوئی شخص شیطان کی خوبیاں تلاش کرنا شروع کر دے تو اسے شیطان میں بے شمار کمالات نظر آنے لگ جائیں گے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

طالب کو چاہیے کہ دوسروں کے بارے میں سیدھا سوچے، مثبت ذہن رکھے اور ان کی سیدھی بات کا سیدھا مطلب لے بلکہ الٹی بات کو بھی سیدھا سمجھنے کی کوشش کرے۔ خوش نصیب ہے وہ طالب جسے اللہ کریم جل شانہ نے حسن ظن کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔

ان تمام امراض کا علاج اللہ کریم جل شانہ کے فضل پر موقوف ہے مگر طالب کو چاہیے کہ اپنی طرف سے مکمل کوشش جاری رکھے۔ اگر ناکامی ہو تو اپنا قصور سمجھے اور کامیابی ہو تو اسے اللہ کا فضل سمجھے۔ یہی اہل سنت کا راستہ ہے۔

کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، کم ملنا

زیادہ کھانے سے ذہانت برباد ہو جاتی ہے اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ غفلت طاری ہو جاتی ہے، نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور شہوت زور پکڑ لیتی ہے۔

زیادہ سونے سے غفلت اور نحوست طاری ہو جاتی ہے اور باطن کی کھڑکیاں بند ہونے لگتی ہیں۔ خصوصاً عبادات کے وقت میں سونا، صبح سورج نکلنے سے پہلے پہلے سوئے رہنا اور عصر کے بعد سونا روحانیت کی ناس مار دیتا ہے اور تہجد کے وقت جاگنے سے نفس کا ستیا ناس ہو جاتا ہے اور اس وقت استغفار اور دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔

زیادہ بولنے سے انسان کا وقار برباد ہوتا ہے اور خود نمائی میں اضافہ ہوتا ہے، گلہ، غیبت، فضول گوئی وغیرہ سب زیادہ بولنے سے ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مشکل سوالات کے جواب میں خاموشی اور انتظار سے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

لوگوں سے زیادہ ملاقات بھی خود نمائی کا سبب بنتی ہے اور یادہ گوئی کا موقع ملتا ہے، بحث و تہیص کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان اللہ کریم جل شانہ سے غافل ہونے لگتا ہے۔ لہذا خیریت اسی میں ہے کہ کم کھائیں، کم سوئیں، کم بولیں اور کم لوگوں سے ملیں۔



WWW.NAFSEISLAM.COM

چوتھا باب

کاملین کے اوصاف

1۔ شریعت کی پابندی اور نماز

اللہ کے ولی کی پہچان قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

الذین آمنوا وکانوا یتقون یعنی اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار

کیے رکھا (یونس: ۶۳)۔

ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے عقائد اور نظریات درست تھے۔ اللہ کا مشرک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے ادب، صحابہ کا بے ادب، اہل بیت کا بے ادب اور اجماع امت کا منکر اور مخالف کبھی بھی اللہ کا ولی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے صحابی کا گستاخ بھی ولایت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکتا۔ علامہ شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

من یكون یطعن فی معاویہ

فذلک کلب من کلاب الہاویہ

یعنی جو شخص سیدنا امیر معاویہ ؓ پر طعن کرتا ہو وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے (نیم الریاض شرح شفاء جلد ۳ صفحہ ۴۳۰)۔

امام سفیان ثوری تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتا ہو، میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)۔ ان باتوں پر تمام صوفیاء کا اجماع ہے۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہو۔ احکام شرعیہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم نماز کا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ روزانہ پانچ مرتبہ اس کی یاد دہانی اذان کے ذریعے کرائی جاتی ہے اور اس کی طرف بلایا جاتا ہے حتیٰ علی الصلوٰۃ حتیٰ علی الصلوٰۃ نماز کے لیے آؤ، نماز کے لیے آؤ۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: اقم الصلوٰۃ لذكری یعنی میرے ذکر کے لیے نماز پڑھ (طہ: ۱۴)۔ اس کے مفہوم میں بہت گہرائی موجود ہے۔

- (۱)۔ میرے ذکر کی خاطر نماز پڑھ۔ گویا نماز بذاتِ خود ایک بہترین ذکر ہے۔
- (۲)۔ چونکہ میں نے قرآن میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے لہذا میرے اس اہتمام کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ۔

- (۳)۔ نماز پڑھ تاکہ اس خوبصورت عمل کی وجہ سے میں تمہارا ذکر اور ثنا کروں۔
- (۴)۔ نماز پڑھ خالص میری ذات کی خاطر مخلص ہو کر۔
- (۵)۔ نماز پڑھ اللہ کی صفات کے لیے حضورِ قلب سے بڑھ کر اللہ کی ذات کے شہودِ روحی

کے حصول کی خاطر۔

(۶)۔ نماز پڑھ میری یاد کے مقررہ اوقات میں۔

(۷)۔ نماز پڑھ سو جانے یا بھول جانے کے بعد جیسے ہی یاد آئے۔

حضور محبوب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں فرمایا اے علی! کاغذ اور قلم لاؤ میں کچھ وصیت لکھ دوں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ زبانی فرمادیں میں یاد کر لوں گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ اس لیے عرض کیا تھا کہ میں کاغذ قلم لینے جاؤں اور میرے بعد حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اوصی بالصلوة والزکوة وما ملکت ایمانکم یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز زکوٰۃ اور غلاموں کے بارے میں وصیت فرمائی (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: الصلوة، الصلوة، اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں، میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۹۸)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وصیت بھی آخری ہے اور ہستی بھی سب سے عظیم ہے۔

ایک عام آدمی کے لیے نماز اس قدر ضروری ہے چہ جائے کہ کوئی شخص نماز کا تارک بلکہ منکر ہو اور دعویٰ ولایت کا کرتا ہو۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لیس من الکاملین من لا یقوم الیل جو تہجد نہیں پڑھتا وہ کامل نہیں ہے (مرقاۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۸)۔

ابتدائی طالبوں کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ نماز ترک کرنے کی عادت نہ بنائیں ورنہ آگے جا کر پریشان ہوں گے۔ نماز تمام وظائف سے بڑا وظیفہ ہے اور تمام مراقبات سے بڑا مراقبہ ہے۔ نماز کے بغیر وظائف پڑھنا ایسے ہے جیسے بدوق کے بغیر محض ہاتھ سے گولی

بھینگی جائے اور نماز کے ساتھ وظائف پڑھنا ایسے ہے جیسے بندوق میں رکھ کر گوئی چلائی جائے۔
 بندہ اللہ کے سب سے قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنا سر سجدے میں رکھ دیتا
 ہے اسی لیے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے واسجدوا اقترب یعنی سجدہ کر اور قریب ہو۔ حاجی امداد اللہ
 مہاجر کی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اے اللہ مرنے کے بعد میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتا، صرف عرش
 کے سامنے مصلیٰ بچھانے کی اجازت دے دینا تاکہ تجھے سجدے کر سکوں۔

حضرت پیر سائیں محمد راشد روئے دھنی قدس سرہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ کے مریدوں
 میں سے اگر کوئی نماز ترک کرتا تو آپ اسے کوڑے مرواتے تھے اور ذکر نہ کرنے والے مریدوں
 کے گھر نہیں جایا کرتے تھے۔

نماز اور تلاوت قرآن ایسی نعمتیں ہیں کہ جب صاحب طریقت پر کھلتی ہیں تو عرش کے
 خزانے کھل جاتے ہیں۔

ہمیشہ وضو میں رہنے والا فقیر ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہتا ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا
 الوضوء حصن المؤمن یعنی وضو مومن کا محافظ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دل نہ چاہتا ہو مگر
 پھر بھی اچھی طرح وضو کرنا (الاسباغ بالوضوء علی المکارہ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور
 درجات کو بلند کرتا ہے (مسلم، ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)۔

2۔ اخلاص

اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت ارادۃً اس طرح کی جائے
 کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے سوا اور کوئی غرض نہ ہو مثلاً مخلوق میں سے کسی کی خاطر تصنع اور
 بناوٹ کرنا، لوگوں سے مدح اور تعریف کی خواہش کرنا یا کوئی اور ایسا خیال ذہن میں لانا۔ یوں بھی
 کہا جاسکتا ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ رسول اللہ ﷺ
 نے اللہ کریم سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا: سر من اسراری استودعہ قلب من احببتہ
 من عبادی یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں اس شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں

جس سے میں محبت کرتا ہوں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۱۳)۔

حضرت مکحول علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا اسکے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ ابن عدی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے (ابن عدی رقم: ۱۳۵۷) رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۱۶، احیاء العلوم صفحہ ۱۸۴۰ مرفوعاً)۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اخلاص کی تین نشانیاں ہیں اول یہ کہ صاحب اخلاص کے لیے لوگوں کی تعریف اور مذمت یکساں ہو، دوم یہ ہے کہ وہ اعمال اس طرح کرے کہ اعمال کے مشاہدے سے بے نیاز ہو جائے، سوم وہ اس بات کا طلب گار نہ ہو کہ آخرت میں اسے اس کے اعمال کا اجر ملے گا (عوارف المعارف صفحہ ۲۲۰)۔

3۔ اخلاق

اخلاق ہمارے نبی کریم ﷺ کے عظیم ترین کمالات میں سے ہے۔ اللہ کریم جل شانہ نے آپ ﷺ کی توصیف ان الفاظ سے فرمائی ہے انک لعلی خلق عظیم اے محبوب تم عظیم اخلاق کے مالک ہو۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں تو فرمایا لا تقراء القرآن، کان خلقه القرآن یعنی کیا آپ لوگ قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

اخلاق تین طرح کا ہوتا ہے۔ پہلا اخلاق دل میں ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کا برانہ سوچے۔ میں نے اپنے مرشد کریم حضرت سخی سائیں محمد عرف نالے مٹھا قدس سرہ کو فرماتے ہوئے سنا۔ غلام رسول! کوئی کسی کا اچھا نہیں کر سکتا۔ جو کسی کا اچھا کرتا ہے وہ اپنا فائدہ کرتا ہے اور کوئی کسی کا برا نہیں کر سکتا، جو کسی کا برا کرتا ہے وہ اپنا ہی برا کرتا ہے۔ ہمارے پیر بھائی محمد امین جاوید نے ایک بزرگ کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے دشمن کے لیے سب سے

پہلے دعا کرتے تھے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ دشمن کے لیے دعا کرنا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے۔
 ہر کسی کو شریف آدمی سمجھنا اور اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا اور سنجیدہ گفتگو
 کرنا اخلاقیات میں سے بہت بڑی نعمت ہے جسے اللہ عطا فرمائے۔

دوسرا اخلاق زبان سے ہوتا ہے۔ غصہ، تکبر، غیبت، حسد، لالچ بہت بڑی اخلاقی
 بیماریاں ہیں اور ان کے موضوع پر علماء و مشائخ نے مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ حدیث
 پاک میں ہے کہ میٹھا بول صدقہ ہے کلمۃ الطیبۃ صدقہ
 لیکن بعض بزرگ زبان سے اپنے اخلاق کو ظاہر نہیں فرماتے کہ کہیں اخلاق کا اظہار
 اخلاص کے منافی نہ ہو جائے۔

ہم نے بعض مشائخ کو دیکھا ہے کہ سادات کے احترام میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں
 اور احترام و ادب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بعض کو ایسے بھی دیکھا ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے مگر اندر
 سے انہیں جھولے دے رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے بھائی مخدوم و محترم جناب محمد امین جاوید
 صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک سید زادے کے ساتھ راجھستان کے علاقے میں گئے۔
 استاذ الاولیاء حضرت قبلہ علی بخش صاحب چانڈیو قدس سرہ بھی ہمراہ تھے۔ میزبان بزرگ ایک کچے
 مکان میں قمیض اتارے پسینے میں شرابور کھجور کی چار پائی پر آرام فرماتے تھے۔ جب یہ لوگ حاضر
 ہوئے تو انہوں نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ اور جہاں کسی کو جگہ ملی سب بیٹھ گئے۔ محمد امین جاوید
 صاحب نے سوچا کہ اس شخص کو دوسرے مہمانوں کا نہیں تو کم از کم اس سید زادے کا خیال رکھنا
 چاہیے تھا۔ جب یہ سوچا تو انہیں بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کمرے کی چھت کے ساتھ
 جھولا باندھا ہوا ہے وہ سید صاحب جھولے میں آرام فرما ہیں اور میزبان بزرگ جھولا جھلا رہے
 ہیں۔

اخلاق کی یہ قسم جلالی اور جمالی طبیعتوں کے فرق کی وجہ سے مختلف انداز اختیار کرتی
 ہے اور کبھی بھی جلالی بزرگوں کو بداخلاق نہیں سمجھنا چاہیے۔
 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اگر اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتا دیکھتے تھے تو اسے

آزاد کر دیتے تھے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا تو دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھنے لگے۔ آپ پھر بھی انہیں آزاد کر دیتے تھے۔ آپ سے کسی نے غلاموں کی اس بات کا ذکر کیا تو فرمایا: جو شخص اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یعنی یہ دھوکہ ہم کھانے کو تیار ہیں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۵۸)۔

ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب حضرت مفتی پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ العزیز کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں سید ہوں مجھے پانچ ہزار روپے دو۔ آپ نے فرمایا تشریف رکھیے۔ آپ کے پاس رقم نہیں تھی۔ کہیں سے بندوبست کر دیا۔ ایک مرید نے عرض کیا حضور! یہ شخص فلاں قوم کے فلاں آدمی کا بیٹا ہے، سید نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا خاموش! میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، مگر اہل بیت کے پردے میں چھپ کر آیا ہے۔ میں نے اسے نہیں اس کے پردے کو دیکھنا ہے جس میں یہ چھپا ہے۔

اخلاق کی تیسری قسم کا تعقل حقوق العباد سے ہے۔ ماں باپ سے عدل و انصاف نہیں بلکہ احسان کا حکم ہے اور احسان سے مراد یہ ہے کہ اپنا حق بھی انہیں دے دیا جائے۔ سب سے زیادہ حق ماں کا ہے اور پھر باپ کا۔ بڑھاپے میں ماں باپ کو اف تک کہنے کی ممانعت ہے۔ بڑا بھائی بھی باپ کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ پڑوسیوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، ہر انسان کے حقوق، تمام مخلوقات حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق کی تفصیل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ انزلوا الناس منازلہم یعنی لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۲)۔

یہ حدیث ایسا معیار ہے کہ صحیح اخلاق اور بناوٹ کا فرق کھڑ کر سامنے آ جاتا ہے۔ دوستوں میں چائے بوتل اڑا کر اچھا کہلا لینا آسان ہے، پیر بھائیوں اور مرشد کا ادب ظاہری کر لینا بھی مجبوری ہو سکتا ہے۔ پہچان تو اس وقت ہوتی ہے جب انسان گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھتا ہے اور اپنی بوڑھی ماں اور پردہ دار بیوی کی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

بد اخلاق بیوی کو برداشت کر کے اور عورت اپنے بد اخلاق شوہر کو برداشت کر کے روحانیت کے اعلیٰ مقامات کو حاصل کر سکتی ہے۔

اسی اخلاق کا ایک اہم شعبہ مہمان نوازی ہے۔ خاص طور پر صاحب مسند کا مہمان نواز ہونا شد ضروری ہے۔ ہر کسی کا درد بانٹنا اور اپنا درد کسی کو نہ سنانا ضروری ہے۔

4۔ سخاوت اور مہمان نوازی

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْفَقْ اَنْفَقْ عَلَیْکَ یعنی خرچ خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۷)۔

حضرت علی محمد سنڈیا باباجی رحمۃ اللہ علیہ (سرحد) کا واقعہ ہے کہ ان کے مریدوں نے عرض کیا باباجی آج لنگر میں پکانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس کنویں کا پانی نکالنے کے لیے ایک بھینسا موجود تھا۔ آپ نے فرمایا وہ بھینسا ذبح کر دو۔ مریدین اٹھے اور بھینسا کھول کر ذبح خانے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک ساتھی نے راستہ روکا اور کہا یہ بھینسا ذبح نہ کرو ورنہ پانی نکالنے میں دشواری ہوگی۔ کہیں سے قرض لے کر گزارا کر لو۔ دوسروں نے کہا حضرت کا حکم ہے لہذا اسے ذبح کیا جائے گا۔ اسی طرح کئی مرتبہ تکرار ہوئی۔ بھینسے کا راستہ روکا بھی گیا اور اسے چلایا بھی گیا۔ بال آخر بھینسے کو ذبح کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھ آدمی ایک نیا بھینسا لنگر کے لیے لے کر پہنچ گئے اور باباجی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ آدمی بتانے لگے کہ اس بھینسے نے راستے میں ایک مقام پر ہمیں عجیب تماشا دکھایا۔ اچانک رک جاتا تھا اور چلائے نہیں چلتا تھا۔ مگر اچانک چل پڑتا تھا اور روکے نہیں رکھتا تھا۔ باباجی نے لنگر والوں کو بلا کر پوچھا کہ تم لوگ جب بھینسے کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے، کیا تم لوگ کبھی ذبح کا ارادہ کرتے تھے اور کبھی یہ ارادہ ترک کر دیتے تھے؟ انہوں نے سارا قصہ سنا دیا۔ باباجی نے فرمایا جب تم چلتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھینسے کو بھی چلا دیتا تھا اور جب تم رک جاتے تھے تو اسے بھی روک دیا جاتا تھا۔ جو خرچ کرتا ہے اس پر خرچ کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے مثنوی شریف میں یہ حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک

شخص بہت غریب تھا۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا میرے لیے دعا فرمائیں، اللہ میری زندگی کا سارا رزق مجھے ایک ہی بار عطا فرما دے۔ میں پیٹ بھر کر تو کھالوں۔ آپ نے دعا فرمائی اور اللہ کریم نے اس کے حصے کا رزق ایک ہی بار بھیج دیا۔ اس شخص نے سارا ایک ہی بار پکا کر خود بھی خوب کھایا اور غرباء میں بھی تقسیم کر دیا۔ دوسرے دن اس کے پاس پہلے سے بھی زیادہ رزق پہنچ گیا۔ اس نے اسے بھی پکا کر تقسیم کر دیا۔ روزانہ اسی طرح ہونے لگا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے لنگر جاری دیکھا۔ حیران ہو کر اللہ کریم سے پوچھا کہ باری تعالیٰ اس شخص کا رزق تو ختم ہو گیا تھا۔ مگر اسے روزانہ مزید کیسے مل رہا ہے؟ اللہ کریم جل مجدہ نے فرمایا یہ میرا کمزور اور مفلس بندہ ہو کر اتنا سخی ہے کہ جان کی بھی پرواہ نہیں کی اور میری راہ میں سب کچھ خرچ کر کے موت کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ میرے جو دو کرم کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں بھی ایسے شخص پر خرچ کرنے سے گریز کروں۔ لہذا جب تک یہ خرچ کرتا جائے گا میں اسے عطا کرتا رہوں گا۔

محبوب نبی کریم ﷺ سے ایک یہودی نے پورا ریوڑ اللہ کے نام پر مانگ لیا۔ آپ ﷺ نے اسے عطا فرمایا۔ وہ آدمی واپس جا کر اپنی قوم سے کہنے لگا اے لوگو! سب مسلمان ہو جاؤ۔ محمد اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے اور فاقوں سے نہیں ڈرتا ان محمد ﷺ يعطی عطاء لا یخشی الفاقة (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)۔

صوفیاء کا طریقہ یہ بھی ہے کہ حقدار اور ناققدار پر توجہ نہیں دیتے۔ بلکہ اللہ کے نام پر جو بھی مانگے اسے دے دیتے ہیں۔ حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: جو حقدار ہے اس پر بھی خرچ کر اور جو حقدار نہیں ہے اس پر بھی خرچ کرتا کہ تجھ پر وہ بھی خرچ ہو سکے جس کے تم حقدار ہو اور وہ بھی خرچ ہو سکے جس کے تم حقدار نہیں ہو۔

سفاوت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سائل یا غریب آدمی کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔ حضرت مہرِ مرق علی علیہ الرحمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے کسی ضرورت مند بھائی کے پاس ایک ہزار روپے رکھ کر کہتے تھے۔ ”میرے واپس آنے تک اسے پاس رکھو“۔ بعد میں پیغام بھیج دیتے

کہ تمہیں انہیں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ الصوفی دمہ ہدر و ملکہ مباح یعنی صوفی کا خون معاف ہے اور اسکی ملکیت مباح ہے (کشف المحجوب صفحہ ۳۵۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۰)۔

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم رونے لگے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا (رسالہ قشیریہ صفحہ ۷۱)۔

مہمان کے نگر پانی اور بستر کا خیال رکھنا صاحب طریقت پر اس کے مشائخ کے طریقہ کے طور پر لاگو ہے۔ اگر کوئی دوسرا شرعی اور وقتی عذر موجود نہ ہو تو فقیر کے آستانے پر ہر شخص کو جانے کی اجازت ہے۔ صوفیا عاجزی اور انکساری میں آکر فرماتے ہیں۔

در کوئے خرابات و سرائے ادبаш

منع نیست بیا، بنشین و بباش (فوائد الفواد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب حضرت عمر کو کچھ عطا فرمایا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اسے دے دیجیے جو مجھ سے زیادہ فقیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: خذہ فتمولہ او تصدق بہ، و ما جائک من هذا المال وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہ، و ما لا فلا تتبعہ نفسک یعنی یہ مال لے لو، اسے اپنے پاس رکھو یا صدقہ کرو، جو مال بغیر لالچ اور طلب کے مل جائے اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس سے غرض نہ رکھا کرو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۴، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۸)۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: فمن اجل ذلک کان ابن عمر لایسال احدا شیئا ولا یرد شیئا اعطیہ یعنی یہی وجہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں

مانگتے تھے اور جب خود کوئی چیز دیتا تھا تو اسے رد نہیں کرتے تھے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۴)۔
 اسی سے صوفیاء علیہم الرضوان نے اصول اخذ فرمایا ہے کہ کسی سے طمع نہ رکھو، کوئی خود
 دے تو منع نہ کرو، جب مل جائے تو جمع نہ کرو لا طمع ولا منع ولا جمع۔

5۔ خدمت

میدانِ طریقت میں خدمت کو بہت بڑی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ مرشد کی خدمت
 ، پیر بھائیوں اور دیگر فقراء و اولیاء کی خدمت، ماں باپ کی خدمت، ہر انسان کی خدمت خواہ کافر
 ہی کیوں نہ ہو، اور تمام مخلوقات کی خدمت خواہ جانور ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ مراتب کا لحاظ اور انزل
 الناس منازلہم کو مد نظر رکھتے ہوئے باہمی ترجیحات کو سمجھ کر خدمت سرانجام دینا ضروری ہے۔
 حضرت سیدنا انس بن مالک ؓ کا لقب ہی خادم الرسول ہے۔ آپ مسلسل دس سال
 آپ ؐ کی خدمت کرتے رہے (بخاری، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود ؓ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ محبوب کریم ؐ کے نعلین مقدس،
 لاٹھی، لوٹا اور جائے نماز سنبھالے رکھتے تھے۔ کسی مجلس میں حبیب کریم ؐ تشریف فرما ہوتے تو
 آپ نعلین مبارک سنبھال لیتے تھے اور جب آپ ؐ محفل سے اٹھتے تو نعلین مبارک پہنا دیتے
 تھے۔ آپ کا لقب صاحب النعلین، صاحب الوسادة وصاحب المطہرہ تھا (بخاری جلد ۱
 صفحہ ۵۳۱)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ کا لقب صاحب عصا، صاحب ردا، صاحب راحلہ،
 صاحب مسواک، صاحب میضاة اور صاحب نعلین تھا (مسند امام اعظم صفحہ ۱۸۴)۔
 ایک مرتبہ حضرت ربیعہ بن کعب ؓ نے آپ ؐ کو وضو کرایا۔ حضور ؐ نے فرمایا
 ربیعہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا
 ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا یہی ہے۔ فرمایا نفل پڑھ کر اپنے حق میں
 میری مدد کرو (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۸۴)۔

ایک حدیث میں ہے کہ سید المرسلین رُوفٌ رحیم ﷺ ایک مرتبہ طہارت خانے سے ہو کر باہر تشریف لائے تو آگے صحابہ کرام کھڑے تھے۔ وضو کا برتن پانی سے بھرا رکھا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ پانی کس نے بھرا ہے؟ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ عبد اللہ بن عباس نے بھرا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللھم علمہ الكتاب والحكمة یعنی اے اللہ ابن عباس کو کتاب و حکمت کا علم عطا فرما (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخیوں کی صفیں بنائی جا رہی ہوں گی۔ انکے پاس سے ایک جنتی آدمی گزرے گا۔ دوزخیوں میں سے ایک آدمی بولے گا اے فلاں! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ میں نے آپ کو پانی پلایا تھا۔ دوسرا کہے گا میں نے آپ کو وضو کرایا تھا۔ وہ جنتی ان دونوں کی شفاعت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۴)۔

صاحب طریقت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے پاس آنے والوں کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا سمجھے اور اسی نسبت سے اس کا احترام کرے۔ لنگر پانی اور ہر خدمت کے لیے کمر بستہ رہے اور آنے والوں سے پوچھے میرے لیے کیا حکم ہے؟

ایک مرتبہ فقیر راقم الحروف اپنے پیر بھائی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ اپنے مرشد خانے درگاہ مشوری شریف میں حاضر ہوا۔ گرمی کا موسم تھا، سہ پہر چار بجے کا وقت تھا۔ لنگر ہو چکا تھا۔ شہزادہ حضرت قبلہ سائیں منظور احمد مشوری دامت برکاتہم القدسیہ نے ہم سے کھانا پوچھا۔ ہم نے عرض کیا حضور ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ لنگر شریف کا بچا ہوا کوئی ٹکڑا پڑا ہوا تو عنایت فرما دیں۔ دست بستہ گزارش ہے کہ تازہ کھانا نہ بنوائیں۔ سائیں نے لنگر شریف کا ایک ٹکڑا لا کر چھابے میں ہمارے سامنے رکھ دیا جس پر چٹنی رکھی تھی۔ خدا گواہ ہے ہمیں لنگر کے اس ٹکڑے پر بڑا ناز ہے۔ ہم لنگر کھا رہے تھے اور سائیں ہمیں چوری چوری پنکھا جھل رہے تھے۔ ہم درگاہ مشوری شریف پر بھوکے کیوں گئے؟ ہم نے تازہ کھانا مانگنے کی بجائے بچا ہوا لنگر کیوں مانگا؟ سائیں نے ہمیں پنکھا کیوں جھلا؟ ہم نے پنکھا جھلنے سے منع کیوں نہ کیا؟ ہر بات میں فقراء کے لیے سبق موجود ہے۔

6۔ استغناء

استغناء کا معنی ہے بے نیاز ہونا اور کسی سے غرض اور لالچ نہ رکھنا۔ استغناء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ استغناء ظاہری یہ ہے کہ صاحبِ مند و ارشاد، خلق کی بے لوث خدمت کرے۔ کسی سے سوال نہ کرے نہ ہی دل میں کسی سے لالچ کرے۔ آنے جانے والوں کی جیب سے غرض نہ رکھے۔ یقین رکھے کہ میرا نصیب مجھے مل کر رہے گا۔ کبھی کسی ایم پی اے، ایم این اے یا سرکاری افسر سے ملنے نہ جائے، نہ ہی ایسے لوگوں سے اپنی مذہبی محافل کی صدارت اور سرپرستی کرائے۔ ہاں فقیروں کے دروازے پر ہر کسی کو از خود آنے کی اجازت ہے، مگر کسی کی تکریم اس کی حد سے زیادہ نہ کی جائے۔ اگر اپنے نفس پر قابو رکھ سکتا ہو تو متکبر کے ساتھ تکبر سے پیش آئے، مگر ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہوتا۔

استغناء باطنی یہ ہے کہ اپنے مرشد کے سواء کسی دوسرے کو اپنا شیخ نہ بنائے، طریقت کے مشرک اور بے وفا لوگوں کی پیش کش ٹھکرا دے۔ اللہ کریم جل شانہ کے سواء کسی سے سوال نہ کرے۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ فقیر کو ایک منیر نامی دوست نے اپنا خواب سنایا کہ انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ ایک اور آدمی بھی پاس بیٹھا تھا۔ اس آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے اسے تھپکی دی۔ منیر صاحب نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر پھینک دیا۔ دوسرے آدمی نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے اسے تھپکی دی۔ منیر صاحب نے بھی دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر پھینک دیا۔ منیر صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس آدمی کو تھپکی دیتے ہیں اور مجھے اٹھا کر پھینکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی اور بات ہے۔

ایسی کیفیت والے فقیر پر اپنے مرشد اور نبی کریم ﷺ کا ادب پہلے سے بھی زیادہ لازم ہو جاتا ہے جنہوں نے اسے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ اگر خدا نخواستہ دماغ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے اعتنائی کا معمولی شائبہ بھی آ گیا تو ایمان جل جائے گا۔

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

جب آپ کو اپنے شیخ نے ایک اللہ جل شانہ تک پہنچا دیا تو پھر کسی دوسرے پیر کا سوالی بن کر اپنی منزل سے نہ گر۔ کوئی دوسرا تجھے اس سے آگے کہاں پہنچائے گا؟ بڑے سے بڑے کامل نے بھی خدا تک ہی پہنچانا ہوتا ہے، توکل اور استغناء ہی سکھانا ہوتا ہے۔ تو پھر کیا اس کے بعد کسی تیسرے کو تلاش کرو گے؟ اس طرح محض وقت ضائع ہوگا اور سزا میں بھی آ جاؤ گے۔

یہاں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ استغناء کا تعلق توکل سے ہے اور اس پر قائم رہنا استقامت ہے۔ یہاں حدیث پڑھیے۔

عَنْ بَنِي عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ يَا غُلَامُ، احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعْنَيْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ، رَفَعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَتِ الصُّحُفُ

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کی حضوری میں رہ تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کر تو اللہ سے سوال کر، جب مدد مانگ تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تیرا فائدہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تیرا کچھ فائدہ نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر سارے لوگ تیرا نقصان کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، قلم ہٹا لیا گیا ہے اور لکھائی خشک ہو چکی ہے (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۲)۔

واضح رہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں صبر اور توکل کے باب میں بیان ہوئی ہے۔ ہر شخص اس مقام اور مرتبے کا حامل نہیں ہوتا۔ لہذا اسے اولیاء اللہ کے خلاف پڑھ دینا درست نہیں۔

7۔ استقامت

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابلشروا بالجنة الّتی کنتم توعدون یعنی بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر استقامت اختیار کی، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ مت ڈرو اور مت غم کرو اور جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (فصلت، حم سجدہ ۳۰: پارہ ۲۶)۔

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ تم اس آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا استقاموا کا معنی یہ ہے کہ گناہ نہ کیا اور اپنے ایمان کو خطاؤں میں ملوث نہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے صحیح معنی پر محمول نہیں کیا۔ ثم استقاموا کا معنی یہ ہے کہ: فلم یلتفتوا الی الہ غیرہ یعنی اللہ کے سوا کسی معبود کی طرف متوجہ نہیں ہوئے (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۲)۔

امام نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ثم استقاموا فلم یحیدوا عن التوحید والترموا طاعته سبحانه وتعالی الی ان توفوا علی ذلک یعنی ثم استقاموا کا معنی یہ ہے کہ وہ توحید کی راہ سے نہیں ہٹے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کا التزام کرتے ہیں حتیٰ کہ انکی وفات ہو جائے (شرح نووی علی مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: ثم استقاموا الیہ بالسلوک فی طریقہ والثبات علی صراطہ مخلصین لاعمالہم عاملین لوجہہ، غیر ملتفتین بہا الی غیرہ یعنی استقامت سے مراد اللہ کے راستے میں اسی کی طرف سفر کرنا اور اس کے راستے میں مخلصانہ طریقے سے عمل کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا، اسی کی رضا کے لیے عمل کرنا، عمل کے ذریعے کسی غیر کی طرف التفات نہ کرنا ہے (تفسیر ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰)۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عبداللہ ثقفی ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ قل لی

فی الاسلام قولاً لا اسأل عنه احداً بعدک قال قل امنت بالله ثم استقم یعنی یا رسول اللہ مجھے ایسی نصیحت فرمائے کہ پھر آپکے علاوہ مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ فرمایا کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر استقامت اختیار کر (یعنی ڈٹ جا) (مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔

قرآن شریف کی آیت تَمَّ اسْتَقَامُوا کی مذکورہ بالا تفسیر میں اور یہ تم استقامت والی حدیث پڑھ کر ظاہر بین کا ذہن محض بت پرستی کے مقابلے پر توحید پرستی کی تعلیم کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس آیت اور حدیث میں اللہ کریم کی ذات پر توکل، اعتماد اور اس کے دروازے سے نہ ہٹنے کی صوفیانہ تعلیم موجود ہے، جس کے نتیجے میں شرک اور بت پرستی کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو جاتی ہے۔

اس موضوع پر حضرت امام عبدالکریم ہوازن القشیری قدس سرہ نے مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”الاستقامة“۔ امام نووی علیہ الرحمہ اس رسالہ سے اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الاستقامة لا يطيقها الا الكابر لانها الخروج عن المعهودات و ومفارقة الرسوم والعادات، والقيام بين يدي الله تعالى على حقيقة الصدق ولذلك قال ﷺ استقيموا ولن تحصوا وقال الواسطي الخصلة التي بها جملت المحاسن وبفقدوها قبحت المحاسن الاستقامة یعنی استقامت اختیار کرنے کی طاقت اکابر کے سواء کسی کے پاس نہیں، اس لیے کہ تکلفات سے نکلنے، اور رسوم و عادات کو چھوڑنے اور اللہ کی بارگاہ میں حقیقی صدق کے ساتھ کھڑا ہونے کا نام استقامت ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استقامت اختیار کرو مگر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ واسطی فرماتے ہیں: وہ خصلت جس سے تمام محاسن کو حسن و جمال ملا، اور جس کے کھوجانے سے تمام محاسن قباحت میں بدل گئے وہ استقامت ہے (شرح نووی علی مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔

امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابتدائی صاحب طریقت کی استقامت یہ ہے کہ اسکے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو۔ متوسط درجہ کے لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی نہ ٹھہر جائیں اور انتہائی لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ انکے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو (رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۱۰)۔

نومسلم کی استقامت یہ ہے کہ جب کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو جائے تو اب واپسی کے دروازے بند کر دے۔ عام مسلمان کی استقامت یہ ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی پر ثابت قدم رہے اور جو عمل شروع کرے اسے جاری رکھے۔ طریقت والے مبتدی کی استقامت یہ ہے کہ اپنے مرشد کے دیے ہوئے ذکر فکر پر ہمیشگی کرے اور جو سبق ملے اسے پورا کرے۔ مقررین اور کالمین کی استقامت یہ ہے کہ ہر عمل اور وظیفہ محض اللہ کی بندگی اور عبادت کی خاطر کریں، اللہ کے سوا کسی طرف متوجہ نہ ہوں اور اسی کی ذات پر اعتماد اور توکل کریں، اسی کی رضا پر راضی رہیں۔ اپنی ذات کے لیے دعا بھی نہ کریں اور جو ہوتا ہے ہونے دیں۔

یہ اتنا مشکل مرحلہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: شَيْبَتْنِي هُوَ دَوَامُهَا لَهَا يَعْنِي مَجْهِي سُوْرَةُ هُوْدٍ اور اس جیسی آیات نے بوڑھا کر دیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی آیت ہے۔ فرمایا: فَاَسْتَقِمُّ كَمَا اَمَرْتُ يَعْنِي جِيسَ اَپ کو حکم دیا جاتا ہے اس پر استقامت اختیار کرو۔

8۔ ہمارے مرشد کریم مشوری والے سائیں

قطب الاقطاب، شیخ المشائخ، سید العارفین، رئیس العاشقین، شمس العلماء الراغبین، فقیہ اعظم حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس اللہ سرہ الاقدس ماضی قریب کی مایہ ناز علمی اور روحانی ہستی جو فیضان و کمال سے بھرپور، سنجیدگی اور متانت میں لاثانی، اور فنا فی الرسول ہونے کے ناطے نبی کریم ﷺ کی سنت کا ایک بہترین نمونہ تھے۔

مشوری آپ کی قوم تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے گاؤں کا نام مشوری شریف ہے۔ مشوری شریف کا ریلوے اسٹیشن لاڑکانہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر دادو کی جانب ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ کے خواص تھے۔ حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ کے ہاں سلسلہ عالیہ قادریہ کی طرف سے وحدت الوجود اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی طرف سے وحدت الشہود کا حسین امتزاج تھا۔ ان دونوں سلسلوں کے فیضان سے آپ نے اور آپ کے مریدین نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت کو پالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ طیبہ میں وحدت کے دریا بھی نوش کرادیئے جاتے ہیں اور شریعت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں

یوں تو ہر شخص اپنے سلسلے اور اپنے مشائخ کی مدح و تعریف بڑھ چڑھ کر بیان کرتا رہتا ہے مگر بخدا اس سلسلہ عالیہ کی شان کچھ ”وکھری“ ہے۔ مرید تو اپنے مرشد کی شان بیان کرتے ہی رہتے ہیں مگر ہم اپنے مرشد کریم کی شان میں ان کے ہم عصر علماء و مشائخ کے بیانات کے انبار دکھا سکتے ہیں۔ سر دست ہم ان کے دور کی ایک جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیت غزالی دوراں رازیؒ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان پیش کرتے ہیں جس کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی آپ کی عظمتوں کا اعتراف نہیں کرے گا تو حیران ضرور ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت قبلہ کاظمی صاحب قدس سرہ اپنے ایک عربی مکتوب میں لکھتے ہیں۔

قدوة العارفين، عمدة الصالحين زبدة العلماء الراسخين، الاورع الاكرام، الفقيه الاعظم، سيدى مولانا محمد قاسم المشورى متعنا الله تعالى بطول حياته، وافاض علينا من بر كاته

(درگاہ مشوری شریف کی فائل میں مکتوب محرر شوال المکرم ۱۴۰۳ھ)

آپ علوم ظاہریہ و باطنیہ سے آراستہ قابل دیدہ ہستی تھے۔ علم ظاہری ایسا کہ میراث کا علم بلاشبہ تمام علوم ظاہریہ میں مشکل و دقیق علم ہے، آپ نے اس موضوع پر ”معلم الفرائض“ نام کی ضخیم کتاب سندھی زبان میں لکھی ہے جس میں شریفیہ کو بھی کھولا گیا ہے۔

اپنے صاحبزادگان کو خود تعلیم دیتے رہے۔ ایک دن آپ شاہزادہ حضرت سائیں منیر احمد دامت برکاتہم العالیہ کو (جو آپ کے پوتے ہیں) جامع صغیر پڑھا رہے تھے۔ فقیر راقم الحروف سماع کے لیے پاس حاضر تھا۔ آپ مسجد شریف کے محراب میں مصلائے امامت پر شمال مشرق کی طرف رخ انور کر کے تشریف فرما تھے۔ آپ نے حدیث شریف پڑھائی: المومن للمؤمن كالبنیان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين اصابعه (بخاری صفحہ ۸۹۰ جلد ۲)۔ آپ نے شبک بین اصابعہ سمجھانے کے لیے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ لرزاتے ہوئے اٹھائے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر تشبیک سمجھائی۔ راقم الحروف کو منظر آج تک یاد ہے۔

عربی اور فارسی کی چند کتابیں درگاہ شریف میں عرصہ دراز سے پڑھائی جاتی تھیں۔

ضروری علوم شرعیہ طالبان طریقت کو سکھائے جاتے تھے۔ تاکہ جاہل اور شریعت مطہرہ کے دشمن صوفی پیدا نہ ہوں بلکہ طریقت و شریعت کا امتزاج رہے کہ یہ اصل سنت نبوی ہے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامعہ قاسمیہ نام سے ایک عظیم درسگاہ وہیں مشوری شریف میں بنادی گئی ہے۔ وہاں اس وقت (تادم تحریر 2009ء) حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ فرائض تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں نہایت ہی گرم جوشی سے حصہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں پاکستان بنانے کی خاطر منعقد ہونے والی آل انڈیائی کانفرنس بنارس میں دور دراز کا سفر کر کے شامل ہوئے۔ آپ ہمیشہ اسلام دشمن عناصر کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ بھٹو نے جب پاکستان میں سوشل ازم کا نعرہ بلند کیا تو آپ سب سے پہلے اس فتنے کے انسداد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حتیٰ کہ موجودہ سیاسی جھمیلوں سے بے زار ہونے کے باوجود بھٹو کے حلقے میں اس کے خلاف ایکشن لڑنے کا بھی اعلان کر دیا۔

۱۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو جمعیت علمائے پاکستان صوبہ سندھ کے صدر منتخب ہوئے اور بڑی محنت اور جاں فشانی سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ آج بھی صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان میں آپ کے مریدین جماعت اہل سنت، جمعیت علمائے پاکستان اور تنظیم المدارس کے اہم ترین عہدوں پر فائز ہیں اور ان دونوں صوبوں کی سنی قیادت پر انکا قبضہ ہے۔

کمال طریقت ایسا تھا کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ طالب طریقت خواہ کسی منزل میں اٹکا ہو طلب حق میں خلوص کے ساتھ ایک دفعہ حاضری دیتا تو رکاوٹ ختم ہو جاتی اور وہ اس منزل سے آگے نکل جاتا۔ زبانی اپنا مسئلہ عرض کرنا ضروری نہ تھا۔

خدا شاہد ہے کہ اب بعد از وصال وہ تلوار نیام سے باہر آ چکی ہے۔ اب تو تشنہ لبوں کی سیرابی کا سماں ہی دوسرا ہے۔

ادب اس قدر تھا کہ اپنے اُن مریدوں کے ہاتھ چوم لیا کرتے تھے جو سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ سیدزادے کے احترام میں دونوں ہاتھ جوڑ کر تادیر کھڑے رہنے کا منظر اقم الحروف نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت غزالیؒ دوراں رازیؒ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی قدس سرہ کے محض پیغام اور خط کا اس قدر احترام فرماتے تھے جیسے قبلہ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ خود تشریف لے آئے ہوں۔

ساری زندگی آپ کو کسی نے زمین پر تھوکتے نہیں دیکھا لعاب مبارک کو کپڑے (رومال) میں لے لیا کرتے تھے۔

کبھی آقائے دو جہاں رحمہ اللہ کا اسم علم شریف بلا ضرورت شرعی نہیں پکارا بس آقا، سرکار، حضور، سائیں، حضرت حبیب کریم رحمہ اللہ جیسے القاب سے یاد فرماتے حتیٰ کہ چھوٹے شاہزادے کا اسم گرامی تبرکاً ”محمد“ رکھا۔ مگر زندگی بھر ان کو بھی اس نام سے کبھی نہ پکارا۔ بلکہ انہیں ”نالے مٹھا“ کہہ کر بلاتے تھے۔ سندھی میں نالے مٹھا کا معنی ہے ”میٹھا نام“ اب سب لوگ انہیں سائیں نالے مٹھا کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔

رفاق اس قدر تھا کہ خود بھی روتے تھے اور مریدین و زائرین کو بھی رلاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی مسجد شریف میں کھڑے تھے۔ بہت سے لوگ سالانہ بارہویں شریف میں شمولیت کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ کھڑے ہو کر سب سے مل رہے تھے۔ پہلے سندھی زبان میں فرمایا:

وڈی مہربانی منجھا پتر تواں اچی ویا آھو غریب جی حوصلہ افزائی جے لئی۔ پھر اردو زبان میں فرمایا: بڑی مہربانی بیٹا، آپ لوگ آئے ہو مجھ غریب کی حوصلہ افزائی کے لیے۔

شریعت کی پابندی اس قدر کرتے کہ آخری چند سالوں میں سو سال کے قریب عمر شریف ہو جانے کے باعث چل نہیں سکتے تھے مگر پھر بھی پیہوں والی کرسی میں بیٹھ کر نماز باجماعت میں شامل ہوتے۔ کرسی میں بیٹھ کر ہی نماز ادا فرماتے تھے۔ آخری تین سالوں میں مشاہدہ خداوندی میں استغراق کی کیفیت رہی۔ آپ ہر بات کے جواب میں خاموش رہنے لگے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا کہ سائیں پانی پیئیں گے؟ تو آپ خاموش رہتے۔ اگر کوئی کہتا کہ سائیں یہ فلاں مہمان آیا ہے تو آپ خاموش رہتے۔ اگر کوئی کہتا کہ سائیں آپ کی طبیعت مبارک کیسی ہے تو آپ خاموش رہتے۔ لیکن اگر کوئی پوچھتا کہ سائیں نماز پڑھیں گے؟ تو آپ پورے جسم مبارک کو جنبش

دیتے اور جلدی سے فرماتے ”ہاں“

آپ نے پچانوے سال کی عمر مبارک میں رحلت فرمائی ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے حضرت سائیں علی محمد معروف بہ میاں سائیں قدس اللہ سرہ الاقدس اور حضرت سخی سائیں نالے مٹھا قدس اللہ سرہ الاقدس تھے۔ یہ دونوں ہستیاں اس دنیا سے جا چکی ہیں۔

آپ کے تقریباً اٹھارہ خلفاء اور بے شمار شاگرد ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں فتاویٰ قاسمیہ (دو جلدوں میں)، معلم الفرائض، مجموعہ رسائل قاسمیہ، اشباع الکلام فی تحقیق مدۃ الرضاع والفظام، الحجۃ البیضاء فی حرمة الصدقات الواجبة علی الشرفاء، فتح الودود فی تحقیق امرأۃ المفقود، ارشاد العباد الی تصحیح النطق بالضاد، تفصیل اللحیہ وتوسید اللحیہ، فصل الخطاب فی لزوم الستر والحجاب، البینات الواضحات فی استحباب الذکر بالجہر بعد المکتوبات، اتحاف الاشراف فی احکام تبدیل الاوقاف، مسائل زکوٰۃ میں جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب کی تحریر اور تحقیقات پر ایک نظر، اوضح البیان فی ان الشیعۃ اعداء القرآن، کتاب الناسخ والمنسوخ، الدلیل المنقول فی تحریم الطبول، نہج الصواب فی تحقیق الغراب، تحفۃ الاخوان فی منع شرب الدخان، ارشاد طریقت وغیرہ۔

اللہ کریم ہمیں اپنے محبوب بندوں کی پیروی اور غلامی کی توفیق بخشے اور ادب نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین ﷺ

WWW.NAFSEISLAM.COM

حصہ سوم

اولیاء کے وصیت نامے

اور

تعلیمات کا خلاصہ



وصایا ہاشمیہ

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم العلماء محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کا یہ وصیت نامہ حضرت علامہ ابوالسراج محمد طفیل احمد ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحفۃ الزائرین حصہ پنجم میں شائع فرمایا ہے۔ استاذ الاولیاء حضرت مولانا علی بخش صاحب چانڈیو قدس سرہ نے یہ وصیت نامہ فقیر کو عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس احسان پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ ہم اہل اسلام کے استفادہ کے لیے اس وصیت نامے کا ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ کریم اسے علماء، فقراء اور عوام کے لیے

فائدہ مند بنائے اور حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے جزیل عطا فرمائے۔

وصایا ہاشمیہ کا ترجمہ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو بلند و بالا ہے۔ اس نے ہمیں کیسی ہی بھرپور نعمتوں سے نوازا ہے، اور اپنے کرم کے عطیات سے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ صلوٰۃ و سلام ہو اس کے رسول مصطفیٰ پر جن کی شان میں ولسوف یعطیک ربک فترضی نازل ہوئی اور آپ کے صحابہ پر جو سعادت مند قائد ہیں اور اہل تقویٰ کے سردار ہیں۔ اما بعد

اے میرے دونوں کریم بیٹو تمہارا رب تم دونوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنے لطف شریف سے توفیق عطا فرمائے۔ میری مراد عبدالرحمن اور عبداللطیف ہیں اور اے مریدوں اور طالبوں میں سے محبت کرنے والے مہربان اور سمجھدار دوستو! میں تمہیں اللہ عز و جل کا ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، تقویٰ بڑی بلند چیز ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اولیاء اللہ کے سرداروں (یعنی صحابہ) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی یہی وصیت کی اور تمہیں بھی تقویٰ کی وصیت فرماتے ہیں۔

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آخرت کے گھر کی طرف متوجہ رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور دنیا سے منہ پھیرنے اور ہر اس چیز سے منہ پھیرنے کی وصیت کرتا ہوں جسکی تعمیر میں، جمع میں اور اسکی لذتوں سے لطف اندوز ہونے میں اور اسکی آرائش سے دھوکا کھانے میں لوگ مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مرتضیٰ ﷺ سے فرمایا۔ فرما دیجئے: دنیا کی دولت قلیل ہے اور تقویٰ والوں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ اس حقیقت کو اس شعر میں بخوبی سمجھا دیا گیا ہے۔

النار اخر دینار نطقت به والهم آخر هذا الدرهم الجاری

والمرء مادام معشوقا بحبها معذب القلب بین الهم والنار

ترجمہ: دولت و دنیا کا انجام آگ ہے، اور مروجہ درہم کا انجام غم ہے، اور آدمی جب تک دولت کا پجاری بنا رہتا ہے، اس کے دل کو درہم کے غم اور دولت کی آگ کا عذاب ہوتا رہتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

دنیا گذران مست بدروشی بہ چون بیم حباب است غد پوشی بہ

چون رزق مقدارست کم کوشی بہ چون گتہ نویسند خاموشی بہ

ترجمہ: دنیا کو درویشی کی مستی میں گزارنا بہتر ہے، ہم دریا میں بلبل کی طرح ہیں تو پھر سادہ لباس بہتر ہے۔ جب رزق مقدر ہے، تو تھوڑی کوشش بہتر ہے، اور جب ہر بات کو اگلے لکھ لیتے ہیں تو خاموشی بہتر ہے۔

دنیا اور اسکی زینت کو کبھی حسین مت سمجھنا اس لئے کہ اسکا ظاہر سرسبز و شاداب ہے مگر اسکا باطن انسان کے لئے زہر ہے۔ اسکی طرف صرف عبرت حاصل کرنے کے لئے دیکھو، کہ یہ کبھی کسی کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہی، بلکہ ہر کسی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ میں تمہیں قناعت کرنے اور دنیا کی خاطر پریشان نہ ہونے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے رزق کا کفیل ہے کہ زمین میں کوئی ایسا جاندار نہیں جسکا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہ ہو، لہذا اپنا دل بڑا کر، جو اللہ پہ توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے۔

میں تمہیں اللہ العظیم الستار کی مسلسل نعمتوں کا صبح و شام شکر ادا کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، جو بھی نعمت تمہیں کسی واسطے سے ملے اسے اللہ کی طرف سے سمجھو اور اسکا ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جیسا کہ اسکی ذات کے شایانِ شان ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہیں جو بھی نعمت پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔

میں تمہیں ہمیشہ ہر گھڑی اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ شیطانی وسوسوں کو کاٹتا ہے اور دین کے دشمنوں کی شان و شوکت ختم کرتا ہے اور اللہ قوی و متین کی طرف سے اپنے بندے کو یاد رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مامون میں فرمایا: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور ناشکری مت کرو۔ قرآن عظیم جس کا نام ذکر بھی ہے اسکی تلاوت اختیار کرو۔ یہ اللہ العزیز العظیم کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے

تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام انسانوں پر۔ پھر قرآن کے بعد سب سے افضل اللہ کا ذکر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ: تمام ذکروں سے افضل لا الہ الا اللہ ہے۔ پھر اس کے بعد اسم ذات میں مشغول ہونا ہے یعنی اللہ اللہ۔ یہ ذکروں کا سردار ہے۔ اور ذکر کا مقصود و منتہا یہی ہے۔ جب تمہارے قلب میں اس ذات کے سوا کوئی نہ رہے تو پھر یہی اسم اعظم ہے۔ اللہ کے ساتھ مشغولی کی کثرت کرو کہ یہ چیز گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ اور نبی مختار ﷺ پر درود پڑھو کہ یہ اس دنیا میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ کے ذکر میں ٹال مٹول، تاخیر اور وقت مقررہ سے آگے پیچھے ہونا زبیب نہیں دیتا۔ یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔ بیماری اور مصروفیت کا بہانہ مت کرو۔ صحت اور فرصت کا انتظار باطل ہے۔ یہ بہانہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

میں تمہیں اللہ کی بارگاہ میں ہر روز، ہر رات بلکہ ہر گھڑی تمام گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ ارادہ مضبوط کرو اور گناہ کی طرف کبھی نہ پلٹو۔ ہمیشہ اپنے قصور کا اعتراف کرو تا کہ تمہاری طرف سے توبہ کی صداقت صحیح ہو جائے۔ جو شخص گناہ سے توبہ کرے مگر ابھی تک گناہ پر بضد ہو یا گناہ کی طرف لوٹنے کا عزم رکھتا ہو، اس کی کوئی توبہ نہیں ہے۔

میں تمہیں چھوٹے اور بڑے تمام گناہوں سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ چھوٹے گناہوں کو حقیر سمجھ کر ان کا ارتکاب کبھی نہ کرنا۔ تھوڑا سا ہر بھی اسی طرح قاتل ہے جس طرح زیادہ زہر قاتل ہوتا ہے۔ قطرے قطرے سے بارش بنتی ہے۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے بارے میں اپنے دلوں کو بغض اور حسد، رنجش اور کھوٹ سے صاف رکھو اور مومنوں کے بارے میں بدگمانی اور ان کے سامنے تکبر سے بچو۔ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان لعین نے تکبر کیا تھا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے۔ وہ کیسے تکبر کر سکتا ہے جو ایک گرا ہوا نطفہ ہے اور جلد ہی اس نے ایک مردار اور گندگی بن جانا ہے۔

دنیا کی محبت سے بچ کے رہو، یہ ساری خطاؤں کی سردار ہے اور ہر گناہ اور مصیبت کی بنیاد ہے۔

میں تمہیں تمام عبادات میں ریاکاری کو ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں یہ سب سے بڑی مصیبت اور بلا ہے اور تمام اعمال اور طاعات کو برباد کر دیتی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس عمومی مصیبت سے بچے ہوئے ہیں۔ بے شک شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان بلکہ ہر ایسی چیز سے اپنی زبان کی حفاظت کرو جو رحمان جل شانہ سے حجاب بنتی ہے۔ اپنی زبانوں کو قرآن کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کے ذکر یا مسلمانوں کی بھلائی یا نیکی کے حکم یا برائی سے ممانعت یا دنیا اور دین کی ضروریات کے علاوہ حرکت مت دو۔ سید الاولین وال آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا پھر خاموش رہے، اس بات کو مضبوطی سے اور امانت کی طرح پکڑ لو۔

جہاں تک ہو سکے ہمیشہ با وضو ہو، اور نیند کے وقت تازہ وضو کرو۔ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ تھوڑا کھاؤ۔ زیادہ کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور حنن جل شانہ کی عبادت کرنے میں اعضاء کو بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ: تیسرا حصہ طعام کے لیے، تیسرا حصہ پانی کے لیے اور تیسرا حصہ سانس کے لیے۔

اے بھائیو! اللہ کے سواء ہر چیز سے منہ موڑ لو اور ہر اس عمل سے بچ جاؤ جو اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو، پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرو۔ قیام، تلاوت، رکوع، سجود اور تمام ارکان نماز کو جمع سنن و مستحبات کمال خشوع اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضور قلب اور عاجزی کے ساتھ ادا کرو۔ کہا گیا ہے کہ اس کی عبادت اگر حضور قلب سے نہ کی جائے تو وہ محض رائیگاں ہے۔ نماز باجماعت کی پابندی کرو، اسے ترک کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ جماعت اور نماز واجب ہے اور یہ علمائے اعلام کے صحیح قول کے مطابق اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ روزانہ چاشت کی نماز، تہجد اور اشراق کی نماز، تمام عبادات اور گناہوں اور شہوت سے نفس کو روکنا اور صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب

تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک کے دونوں وقتوں میں خوب اذکار کرنا تم پر لازم ہے۔ ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ دلوں پر امداد بہا دیتا ہے اور یہ رزق مرغوب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ان دونوں وقتوں کو تسبیح، استغفار اور اذکار سے بھر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: صبح شام اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرو۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کبھی بغض نہ رکھنا، کبھی لوگوں کو القاب نہ دینا، کبھی حسد نہ کرنا اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ سچا مرید کبھی جھوٹ نہیں بولتا، کبھی کسی کو نہیں ڈراتا، بخیل نہیں ہوتا، بزدل نہیں ہوتا، فحاش نہیں ہوتا، گالیاں نہیں دیتا بلکہ اسکی عادت یہ ہوتی ہے کہ اگر مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہے اور اگر نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے اگر ظلم کر بیٹھے تو توبہ استغفار کرتا ہے، اگر کوئی دوسرا اس پر ظلم کرے تو درگزر کرتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اذیت دینے والے کو اذیت نہیں دیتا، ظالم پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ اس کلمہ اور کی طرح ہوتا ہے جسے لوگ پتھر مارتے ہیں اور وہ کھجوریں پھینکتی ہے۔ وہ زمین کی طرح ہوتا ہے جس پر ہر طرح کی گندگی پھینکی جاتی ہے مگر وہ جواب نہیں دیتی، بوجھ اٹھانا اور اسے چھپالینا پسند کرتی ہے، ظاہر کرنا اور مشہوری پسند نہیں کرتی۔ کہا گیا ہے کہ: مرید اس وقت تک مرید نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں سے بے نیاز ہو کر مولا سے نہ لگ جائے۔ اسکے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہیں۔ مرید وہ ہے جو حدود کی حفاظت کرے۔ وعدوں کی وفا کرے، جو موجود ہے اسی پر راضی رہے اور جو پاس نہیں اس پر صبر کرے۔ مرید وہ ہے جو نعمتوں پر شکر کرے اور بلاؤں پر صبر کرے، قضا پر راضی رہے، خوشی اور غم میں اپنے رب کی حمد کرے، تنہائی میں بھی اور سر محفل میں اسی کے لیے خالص رہے، اسکی زبان ہر وقت غیر متعلقہ بات سے خاموش رہے، اسکا دل اپنے رب کی اطاعت میں کمی پر غمگین رہے، دین میں مداہنت نہ کرے، رب العالمین کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی نہ کرتا پھرے، تنہائی اور افراد کو پسند کرے، لوگوں سے ملنے جلنے سے وحشت کھائے، حمیدی رحمت اللہ علیہ نے جامع صحیحین میں فرمایا ہے۔ شعر:

لقاء الناس ليس يفيد شيئاً سوى الاكثار من قيل وقال

فاقلل من لقاء الناس الا لاخذ العلم او اصلاح حال

لوگوں سے ملاقات محض گپ شپ کے سواء کوئی فائدہ نہیں دیتی لوگوں سے ملنا کم کر دے، سوائے علم حاصل کرنے کے یا حال کی اصلاح کرنے کے۔

خوش بخت ہے وہ شخص جسکی ہمت اپنے مولا کی رضا کی طرف لگی ہوئی ہے اور اس کی حرص اور فہم اپنے رسول مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کی طرف ہے اور وہ اپنے تمام احوال میں انہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور انہی کے اخلاق و افعال و اقوال کو اپناتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کرے اس سے باز رہو۔ اے اللہ ہمیں ان تمام معاملات میں محبوب کی کمال متابعت عطا فرما، ہمیں اسی پر زندہ رکھ اور اسی پر موت دے آمین۔

میں تمہیں جاہل لوگوں میں سے تم پر ظلم کرنے والوں سے درگزر کرنے اور حلم و بردباری کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مدح فرمائی ہے کہ: غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

غصے سے بچو، غصہ شیطان کی طرف سے ہے، رحم کرنا تم پر لازم ہے، رحم رحمن جل اسمہ کی طرف سے ہے، اچھے اخلاق تم پر لازم ہیں، اس سے انسان روزے دار اور رات کو قیام کرنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ صاف گوئی سے کام لو اور لذتوں سے پرہیز کرو، خواہ حق حلال ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک اس کو ترک کرنے والے کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے جس میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ عاجزی سے کام لو، یہ کامل ترین خصلت ہے۔ راستوں میں بیٹھنے سے بچو، اس لیے کہ اس میں وبال ہے، ہمیشہ اچھے ساتھی کی صحبت میں بیٹھو، اس کی مثال ایسے ہے جس طرح کستوری اور عنبر والا ہو۔ برے آدمی کی صحبت سے بچو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کونلوں والا، مراتب کی پہچان کرو، بلند بھی اور پست بھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔ سائے اور دھوپ کے درمیان مت بیٹھو اور ایسی جگہ پر نیند مت کرو۔ حلقے کے درمیان مت بیٹھو۔ یہ جگہیں شیطان کے بیٹھنے کی ہیں۔ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض مت رہو، سوائے اللہ کے دین کی خاطر۔ جس نے مسلمان کی پردہ پوشی

کی، اللہ تعالیٰ آخرت اور دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ سچائی کو اختیار کرو۔ جس نے سچ بولا نجات پا گیا۔ جھوٹ سے بچو۔ جس نے جھوٹ بولا وہ گرفت میں آ گیا۔ اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض کو اختیار کرو، یہ ایمان کا حصہ ہے۔ یتیموں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھو اور اذیت دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دو، یہ صدقہ ہے۔ گھروں میں نیند کے وقت آگ کو جلتا مت چھوڑو، یہ بھی صدقہ ہے۔ بادشاہوں کی مجلس سے بچو اور ان کے پاس مت جایا کرو، یہ فقراء کی بے عزتی ہے۔ علمی مسائل میں جلدی مت کرو، چھوٹوں پر رحم کرو، بڑوں کا احترام کرو، مظلوم کی مدد کرو۔ جب کوئی بازاری اور عامی آدمی تمہارے مقابلے پر آئے تو اس سے جھگڑا مت کرو، اس سے انسان کا رعب اور حشمت ختم ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ کہ جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ زیادہ ہنسنے سے بچو، اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، دین میں چا پلوسی سے بچو، اس سے رب ناراض ہوتا ہے۔ ہر نماز کے بعد کچھ دیر اذکار و اوراد میں مصروف رہو۔ ہر ماہ کچھ دنوں کے روزے رکھو۔ لوگوں کے عیب تلاش مت کرو بلکہ ان کی خوبیاں تلاش کرو۔ موت اور قیامت کو یاد کرو، قبروں کی زیارت کرو، اس سے بھلائی یاد رہتی ہے اور شرارتیں بھول جاتی ہیں۔ نیکی کرنے میں جلدی کرو، اہل بدعت کے پاس بیٹھنے سے بچو، کسی سے لالچ مت رکھو۔ دل کو غمگین رکھو، یہ مومنوں کا سرمایہ ہے، لہذا یہ سرمایہ جمع کر لو۔

میں تمہیں اپنی بھلائی اور مومنوں کی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ میرا یہ کلام دین کے تمام پہلوؤں کے بارے میں برابر نہیں ہے، لہذا میں تمہیں ایسی وصیت کرتا ہوں جو ہر بھلائی کی جامع ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو جو مضبوط رسی ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پابندی کرو۔

پھر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اپنی پیاری دعاؤں میں یاد رکھنا، میری اس نصیحت کو قبول کرنا۔

اے اللہ ہمیں اپنے حسن کے دیدار کی لذت عطا فرما۔ اے اللہ ہمیں حق کو حق کر کے دکھا اور اس کے اتباع کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق

اے اللہ ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے اور ہمیں صالحین کے ساتھ ملا دے، ہم پر سے ظالموں کا شر ہٹا دے اور ہمیں مومنوں کی دعاؤں میں شامل کر دے اور ہمیں غافلوں کی نیند سے بیدار کر دے، اور ہمیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، اور ہمیں سلامتی اور امن کے ساتھ جنت میں داخل کر دے۔ اے اللہ! اے پوشیدہ لطف و کرم والے، اس چیز سے بچا لے جس کا ہمیں ڈر ہے۔ اے اللہ! اے اپنا ارادہ پورا کرنے والے! ہمیں اپنے فضل سے وہ عطا فرما جو ہم مانگتے ہیں آمین، آمین، آمین

والحمد لله رب العالمین لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم
وصلی اللہ علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم آمین آمین

الہی عبدک العاصی اتاکا مقرا بالذنوب وقد دعا کا
فان تغفر فانت اهل لذا کا وان تطرد فمن یرحم سوا کا
تجاوز عن ضعيف قد جفا کا فجاءک تائب یرجو رضا کا
ترجمہ:

اے اللہ تیرا گناہ گار بندہ تیرے پاس حاضر ہوا ہے، گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے تجھے پکار رہا ہے، اگر تو بخش دے، تو تو اس کا اہل ہے، اور اگر تو دھتکار دے، تو تیرے سوا کون رحم کرے گا، اس کمزور سے درگزر فرما جس نے تیرے ساتھ بے وفائی کی، اب تیرے پاس توبہ کرتا ہوا آیا ہے، تیری رضا کا امیدوار ہے، اے نگہبان تیرے پاس نافرمان بال آخر پہنچ گیا ہے۔

الہی ہر آنکس کہ این خط نوشت عفونک گناہش عطا کن بہشت
الہی تو آسان کنی مشکلات طفیل محمد علیہ الصلوٰۃ
اے اللہ جس شخص نے بھی اس خط کو لکھا، اس کے گناہ معاف کر دے اور بہشت عطا کر دے، الہی تو مشکلات کو آسان فرما اپنے حبیب محمد ﷺ کے طفیل۔

مکتوب سلطان الہند

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے دلی محب، میرے قلبی دوست، میرے بھائی قطب الدین دہلوی اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں کی سعادت عطا فرمائے۔

بندہ مسکین معین الدین کی طرف سے سلام مسنون کے بعد واضح و لائح ہو کہ جو اسرار الہی کے چند ایک نکات میں لکھ رہا ہوں یہ اپنے سچے مریدوں اور حق کے طالبوں کو سکھا دینا۔ تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑیں۔

عزیز من! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے ابھی تک نہیں پہچانا وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا یہ کہ حرص وہوا کو ترک کرو۔ جس نے حرص وہوا کو ترک کیا اس نے مقصود حاصل کر لیا۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے: ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى یعنی وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روک رکھا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے (پارہ ۳۰ آیت ۴)۔

جس دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا ہے اسے کثرتِ شہوات کے کفن میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا ہے۔

ایک روز سلطان العارفین خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ایک رات اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ بایزید کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا جو تو چاہتا ہے، خطاب ہوا کہ اچھا جس طرح تو میرا ہے اسی طرح میں تیرا ہوں۔

ہر کہ گردن نہد رضا اورا مرحق اورا نگہبان باشد

ترجمہ:- جو شخص اسکی رضا میں گردن جھکا دیتا ہے تو حق تعالیٰ بطور خاص اسکا نگہبان ہو جاتا ہے۔

پس اگر تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند کر دو۔ پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو سمجھو کہ بس تصوف کے عالم ہو گئے۔ طالب حق کو یہ بات جان و دل سے بجالانی چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے وہ شرِ شیطانی سے نجات پائے گا۔ اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز میرے شیخ کریم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: معین الدین! کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحبِ حضور کسے کہتے ہیں؟ دیکھو صاحبِ حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقامِ عبودیت میں ہو اور ہر ایک واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے وہ جہان کا بادشاہ ہے بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

ایک روز میرے شیخ نے مجھے خطاب فرمایا: بعض درویش جو کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی، یہ غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کے لیے ضروری نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جناب سرورِ کائنات ﷺ ہمیشہ عبادت، بندگی اور عبودیت میں سر بسجود ہے۔ باوجود کمالِ زندگی کے آخر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ما عبدناک حق عبادتک (ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ عبادت کا حق تھا) یعنی مکاحقہ تیری عبادت نہیں کر سکے، اور نہایت عاجزی سے وردِ زبان تھا اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد اعبده و رسولہ یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور بھیجا ہوا ہے۔

پس یقین جانو کہ جب عارف کمال کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس سے مراد نماز ہے۔ نہایت صدقِ دل سے ادا کرتا ہے۔ اسی سے حضوری و آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اخص الخاص معراج یہی نماز ہے۔ جب کوئی شخص یہ جان لینے کے بعد صدق سے کام لیتا ہے تو اسے ایسی پیاس محسوس ہوتی ہے گویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہوں۔ جوں جوں ایسے پیالے پیے گا پیاس غلبہ کرتی جائے گی۔ اس واسطے کہ جمالِ لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آرامی ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ لقائے

الہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسلام

☆.....☆

الوصیۃ

(حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا وصیت نامہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرا اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کا افضل ترین پیغام لا الہ الا اللہ ہے۔ کسی عمل کو حقیر سمجھ کے نہ چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کرتے اور واجب قرار دیتے وقت حقیر نہیں جانا۔ اس نے ہر کام کا حکم کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا مرتبہ عظیم ہے اس کے باوجود اس نے تجھے احکام کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ گویا تو اس کے احکام کی رہائش گاہ ہے۔

نبی کریم ﷺ مزاح کی باتیں بھی فرماتے تھے لیکن حق کے سوا کچھ نہ بولتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنی زبان درازی کی وجہ سے ناک کے بل گرائے جائیں گے۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی حقدار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دو ہونٹوں اور پھر دانتوں کے ذریعے پابند کیا ہے، یہ پھر بھی دروازے توڑ دیتی ہے اور فضول بکنے لگتی ہے۔

مریضوں کی عیادت کیا کر۔ اس لئے کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندے کے پاس ہوتا ہے۔ تم نے محسوس کیا ہوگا کہ مریض کو حالت مرض میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نظر نہیں آتا۔ اور اللہ کو یاد کرنے کے سوا اسے کچھ سوجھتا نہیں۔ اس وقت وہ اپنے منہ سے حق سچ نکالتا ہے۔ اس کا دل اسی کی طرف جھکتا اور التجاء کرتا ہے۔ مریض ہمیشہ اللہ کے ساتھ اور اسی کی حضوری میں ہوتا ہے۔

مانگنے والے کو کھانا بھی کھلا اور پانی بھی پلا۔ مانگنے والا تجھے شانِ خداوندی عطا کر رہا ہے۔ وہ خدا جو اپنے بندوں کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ اللہ نے تجھے اپنے مال و دولت پر خلیفہ مقرر کر کے اس میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا سواری کو خالی ہاتھ واپس نہ کر۔ اور کچھ

نہیں تو اس سے ایک میٹھا بول ہی بول دے یا خندہ پیشانی سے پیش آ۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے جب کوئی سوالی سوال کرتا تو خیرات لے کر اس کی طرف بھاگ پڑتے اور فرماتے کہ میرا سامان سفر آخرت تک اٹھا کر لے جانے والے! خوش آمدید۔ خدا کی قسم خوش آمدید۔

لوگوں پر ظلم کرنے سے بچ۔ ظلم قیامت کے دن ظلمات ہوگا۔ بندوں پر ظلم سے مراد یہ ہے کہ تو ان کا وہ حق ادا نہ کرے جو اللہ نے تجھ پر واجب کیا ہے۔ کسی قسم کے سائل کو انکار نہ کر۔ بھوکا کھانے کا سوال کرے گا اور بھٹکا ہوا ہدایت کا سوال لے کر آئے گا۔

جب تو کسی عالم کو بے عمل دیکھے تو اسکے علم پر خود عمل کرنا شروع کر دے تاکہ اُس علم کا حق ادا ہوا اور وہ رائیگاں نہ جائے۔ اور اس عالم پر تنقید نہ کر۔ اس لئے کہ عالم کا درجہ اللہ کو ہی معلوم ہے۔ تجل اختیار کر یہ ارشاد باری تعالیٰ (خذوا زینتکم) کی وجہ سے بذات خود ایک عبادت ہے۔ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ میرے جوتے اور میرے کپڑے خوبصورت ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سب سے زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے سامنے بن سنور کر حاضر ہوا جائے۔

اللہ تجھ سے کچھ لے یا تجھے کچھ دے اس بارے میں گہری غور فکر سے کام لیا کر۔ جب وہ تجھ سے کچھ لیتا ہے تو اس لئے لیتا ہے کہ تو صبر کرے۔ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس نے تجھ سے وہی معاملہ کیا جو ایک محب اپنے محبوب سے کرتا ہے۔ نیز جو بھی چیز تجھ سے چھن گئی اس کا عوض تجھے ضرور ملے گا۔ لیکن ایک اللہ کی ذات ایسی ہے جس کا عوض نہیں مل سکتا۔

لکل شئی اذا فارقتہ عوض

ولیس اللہ ان فارقت من عوض

ترجمہ:- تجھ سے جو چیز بھی چھن گئی اس کا عوض موجود ہے لیکن اگر اللہ روٹھ گیا تو اس کا عوض نہیں ہے۔

یہی معاملہ اس کی عطا کا بھی ہے۔ نقصان پر صبر بھی تو اسی کی عطا ہے۔ اب عطا پر تو شکر

کرے گا تو یہ بھی اللہ کی طرف سے محبت کا اظہار ہے۔ اس لئے کہ وہ شکر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ یارب! تیرے شکر کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ فرمایا جب تو نعمت کو خاص میری جانب سے سمجھے تو یہی شکرِ یے کا حق ہے۔

اللہ کا سب سے بڑا حق ادا کر۔ یعنی کسی کو اس کا شریک نہ بنا۔ شرک خفی یہ ہے کہ انسان ظاہری اسباب پر اعتماد کرے اور انکی طرف دل کو جھکائے رکھے۔ یہ چیز مومن کو سب سے زیادہ الجھاتی ہے۔ آیت کریمہ وما یومن اکثرهم باللہ الا وہم مشرکون سے یہی مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اس شرک میں شرک خفی اور شرک جلی دونوں شامل ہیں۔ شرک جلی سے تو انسان اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ جب بندے شرک نہ کریں تو ان کا حق اللہ پر کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔

شرک خفی کا عذاب یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ اسباب اسے فقر سے بچالیں گے۔ اب اسباب کی موجودگی میں اسے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اسباب چھن نہ جائیں۔ یہ ڈر ہی عذاب ہے۔ اگر اسباب چھن جائیں تو یہ چھن جانے کا غم اس کے لئے عذاب بنا رہتا ہے۔ اس طرح یہ عذاب دائمی طور پر جاری رہتا ہے۔ اگر لوگ اسباب کا شرک نہ کریں تو آرام میں رہیں اور اسباب کے چھن جانے سے اُم و عذاب نہ پائیں۔

زمین پر بلندی کی خواہش مت کر۔ ایسی خواہش دراصل بادشاہی کی خواہش ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز قیامت کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہوگی۔ گمنامی اختیار کر۔ اللہ سے ذلیل و مسکین بن کر خشوع و خضوع کے ساتھ مانگ۔ جو شخص تیرے فائدے کے لئے تجھے نصیحت کرے اسے اللہ کا قاصد سمجھ اور اس پر اللہ کا شکر ادا کر۔ اس شخص کی طرح بن جس نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ اس کی طرح نہ بن جس نے علم تو سیکھا مگر عمل نہ کیا۔ عالم بے عمل ایسے ہی ہے جیسے چراغ۔ وہ لوگوں کو نور فراہم کرتا ہے مگر خود آگ میں جلتا ہے۔ اہل ایمان کو محبت فراہم

کر۔ مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جس کا ایک عضو بیمار پڑتا ہے تو سارا جسم چیخ اٹھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اچھے ساتھی کی مثال عطر والے کی سی ہے۔ اگر تجھ تک عطر نہ پہنچا تو اس کی خوشبو ضرور پہنچ جائے گی اور برے ہم نشین کی مثال کونلوں کے دوکاندار کی سی ہے۔ اگر تجھ تک کونلوں کے شعلے نہ پہنچیں تو ان کا دھواں ضرور پہنچ جائے گا۔

تو اپنے ماتحتوں پر اللہ کی حدود نافذ کر۔ تجھ سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تیرا چھوٹے سے چھوٹا ماتحت تیرا اپنا نفس ہے۔ اس پر اللہ کی حدود جاری کر۔ اگر تیرے خیال میں اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اچھائی سے رکنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو۔ اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو۔ خیر و شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ کی حدود نافذ کرنے کے لئے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے۔

وضو اچھی طرح کیا کر۔ خاص طور پر سردی کے موسم میں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں معاف کر دے اور درجات بلند کر دے؟ وہ چیز دل نہ چاہنے کے باوجود وضو کرنا ہے۔ ہر جمعے کو غسل ضرور کیا کر۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار غسل کرنا بدن کی طہارت اور رب کی رضا کا موجب ہے۔ یعنی یہ ایسا فعل ہے کہ اللہ نے اپنے بندے کو اس کا حکم دیا، بندے نے وہ کام کر دکھایا جس کے نتیجے میں اللہ اس سے راضی ہوا۔ فرض نماز باجماعت پابندی سے ادا کر۔ جماعت کا مقصد دراصل دین کو قائم کرنے کی خاطر اجتماع ہے۔ تہجد کی کوشش کر۔ رات کے پہلے حصے میں سو جا پھر جاگ کر تہجد پڑھ۔ پھر سو جا پھر دوبارہ نماز کے لئے اٹھ جا اور صبح تک جاگتا رہ۔

ابن راہویہ نے یہاں تک کہا ہے کہ جس نے تین تسبیحات صحیح ادا نہ کیں اسکی نماز ہی نہیں ہوئی لہذا جہاں تک ہو سکے ایسا رویہ اختیار کر جس سے تمام بزرگوں کے اقوال پر عمل ہو سکے۔

جہاد اکبر کو اپنے اوپر لازم کر لے۔ جہاد اکبر سے مراد اپنی خواہشات کے خلاف جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (قاتلوا الذین یلو نکم من الکفار۔ یعنی ان کفار کو قتل کرو جو تمہارے

مقابلے پر آئیں)۔ اور تیرا نفس سب سے بڑا کافر ہے۔ نفس اللہ کی نعمتوں کا کفر کرتا ہے۔ جب تو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے گا تو یہی خالص جہاد اکبر ہے۔ اگر تو اس جہاد میں مارا گیا تو ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ انہیں رزق ملتا ہے اور وہ اللہ کے فضل و عطا پر خوش و خرم ہیں۔ بندہ زندگی بھر جہاد اکبر کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے کہ نفس ہمیشہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی پر بضد ہے اور سو فیصد خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ خواہشات کی یہ پیروی حق کے معاملے میں ارادہ اور دخل اندازی ہے۔ اور یہ اللہ کی شان ہے کہ جس کام کا ارادہ کرے اسے کر ڈالے۔ اس کے برعکس نفس کے خلاف جہاد کرنے والا انسان اپنی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیتا ہے۔

تمام پڑوسیوں کے حقوق اچھی طرح ادا کر۔ جتنا قریب کا پڑوسی ہوگا اتنا ہی اس کا حق زیادہ ہوگا۔ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو حقیر مت سمجھ۔ اللہ نے کسی چیز کو پیدا کرتے وقت حقیر نہیں سمجھا۔ ہم نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک خنزیر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اسے حقارت سے نہیں دیکھا اور بڑے آرام سے گزر جانے کو کہا۔ اس پر لوگوں نے حیران ہو کر آپ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا میں اپنی زبان کو اچھے الفاظ کے لئے ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں۔

شاعر کہتا ہے۔

انما الناس حدیث بعدہم فلتکن خیر حدیث یسمع
واذا شاکتک منہم شوکۃ فلتکن اقویٰ مجن یدفع
واذا ما کنت فیہم ہکذا انت واللہ امام ینفع

ترجمہ:

(۱)۔ لوگ چلے جاتے ہیں اور ان کی باتیں رہ جاتی ہیں۔ تو لوگوں کے لئے اچھی داستان چھوڑ کر جا۔

(۲)۔ اگر تجھے لوگوں سے کوئی تکلیف پہنچے تو ایک مضبوط ترین ڈھال کی طرح اپنی جان پر سہے جا۔

(۳)۔ اگر تو اس طریقے سے ان میں رہنے لگا تو پھر اللہ کی قسم تو ہی فیض یاب کرنے والا امام ہے۔

غروار اور شوخی سے بچ۔ اپنی تہبند یا شلوار کو ٹخنے سے اونچا یا آدھی پنڈلی تک رکھ۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن کا تہبند اس کی آدھی پنڈلی تک اونچا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مختصر کپڑے میں بقاء ہے یہی تقویٰ ہے اور اسی میں پاکیزگی ہے۔ سادگی اختیار کر۔ یہ ایمان کا حصہ ہے۔ سادگی دنیا میں عیش و عشرت سے بچنے کا نام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ سے ڈرو اور لباس سمیٹ کر رکھو۔ یہ حاجیوں اور اہل قیامت کی صفات میں سے ہے کہ ان کے بال بکھرے اور غبار آلود، پاؤں ننگے اور لباس مختصر ہے۔ اس چیز سے تکبر، عجب، مغروری، شوخی اور ڈینگ مارنے کی نفی ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں مومن کی فلاح میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور یہ رکاوٹ سادگی سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سادگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔

حیاء کو اختیار کر۔ خود اللہ بھی صاحب حیاء ہے۔ اللہ سے حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام اللہ کو پسند نہ ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔

لوگوں کو نصیحت کیا کر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”دین نام ہی نصیحت کا ہے“ اللہ کے دین میں نصیحت کرنے والا وہ ہے جو لوگوں کی کامیابی اور سعادت کے راستے پر گامزن رہے۔ اس کام کے لئے زبردست علم، صحیح عقل و فکر، بہترین صواب دید اور معتدل مزاجی کی ضرورت ہے۔ ہر بندہ اس کا اہل نہیں ہوا کرتا۔

کھانے اور پینے کی طرح گفتگو کرنے میں بھی ورع اختیار کر۔ حرام اور شک و شبہ والی چیزوں سے بچنے کا نام ورع ہے۔ جلد بازی سے بچ۔ ہاں البتہ جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں جلدی کرنا درست ہے۔ جیسے نماز اول وقت میں پڑھنا، مہمان کی خدمت، میت کی تیاری،

رشتہ ملتے ہی شادی کر لینا اور تمام اعمال جو آخرت کے لئے ہوں۔

رشتہ داروں سے اچھا سلوک کر۔ اللہ کے ہاں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ چیز ہمارا رشتہ اللہ سے جوڑتی ہے۔ جس نے رشتے کو جوڑا اللہ نے اس کو جوڑ دیا اور وصل نصیب کر دیا اور جس نے رشتے کو کاٹا اللہ نے اسے کاٹ ڈالا۔

جس طرح تو اللہ کا محتاج ہے اسی طرح اللہ سے محتاج ہو جا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اللهم انی اعوذ بک منک اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔
 ”اللہ سے محتاج“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تجھ سے خدائی کی بوتل نہ آئے بلکہ تو محض بندہ ہو کر رہ جائے۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اللہ میں بندگی کا شائبہ تک پایا جائے۔ وہ محض رب ہے اسی طرح تو محض بندہ ہے۔

پیٹ بھر کر کھانا مت کھا۔ اس سے عقل و ذہانت برباد ہو جاتی ہے۔ زندہ رہنے کے لیے کھا۔ اور اپنے رب کی اطاعت کے لیے زندہ رہ۔ کھانے کے لیے زندہ نہ رہ اور موٹا ہونے کے لیے مت کھا۔

تو جس کی صحبت میں بیٹھے یا جو تیری صحبت میں بیٹھے، اس کے رتبے کے مطابق اس کا حق ادا کر۔ اللہ سے تو نے جو ربوبیت کا اقرار کر کے وعدہ کیا تھا اسے وفا کر کے اس کا حق ادا کر۔ رسولوں کی اقتداء کر کے ان کا حق ادا کر۔ طہارت اور پاکیزگی اختیار کر کے فرشتوں کا حق ادا کر۔ اسی کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی! کھانا تمکین چیز سے شروع کر اور تمکین پر ختم کر۔ نمک ستر بیماریوں کا علاج ہے۔ ان میں جنون، جذام، برص، دانتوں کا درد اور پیٹ کا درد شامل ہیں۔ اے علی! جب تو گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھا کر۔

بسم اللہ وباللہ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمداً عبده ورسوله
 ترجمہ:- اللہ کے نام سے اللہ کی ہمراہی میں داخل ہوتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اگر ایسا پڑھا جائے تو اللہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ ذکر میں مصروف ہے جب کہ لوگ غافل ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد سے وصیت کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میرے بیٹے! دروازہ بند کر دے اور اسباب سے منہ موڑ لے۔ اور اس وہاب جل شانہ سے لولگا لے۔ وہ براہ راست تیرا ذمہ اٹھالے گا۔ کسی اور نے عرض کیا۔ کون سا بھائی آپکو زیادہ پسند ہے۔ فرمایا۔ جو میری خطاء سے درگزر کرے، مجھے تنہا چھوڑ دے اور میری مدد قبول کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے وحی کی اور فرمایا۔ اس تنہا پرندے کی طرح بن جا۔ جو درختوں کی چوٹیوں سے کھاتا ہے، جھیلوں سے پانی پیتا ہے اور جب رات چھا جائے تو کسی وادی میں جا چھپتا ہے۔ تنہائی میں مجھ سے انس رکھتا ہے اور میرے نافرمانوں سے اسے وحشت ہوتی ہے۔ جس شخص نے اپنا باطن درست کر لیا اللہ اس کا ظاہر درست کر دے گا۔ جس نے اپنی آخرت سنوار لی اللہ اس کی دنیا سنوار دے گا۔ جس نے اللہ سے اپنا معاملہ صحیح کر لیا اللہ اس کا لوگوں کے ساتھ معاملہ خود بخود صحیح کر دے گا۔

ابو حازم اعرج سے کسی نے پوچھا۔ بابا جی! آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا اللہ کی رضا میں ہوں اور لوگوں سے بے نیاز ہوں۔

ہارون الرشید نے قسم توڑنے کے کفارے کے طور پر پیدل حج کیا۔ راستے میں وہ ایک جھاڑی کے سائے میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ وہاں سے بہلول کا گزر ہوا۔ اس نے یہ سماں دیکھ کر کہا۔

ہب الدنيا تو اتیکا ایس الموت یا تیکا

الایا طالب الدنيا دع الدنيا لساتیکا

الی کم تطلب الدنيا وظل المیل یکفیکا

- (۱)۔ دنیا کو آخرت پر چھوڑ دے۔ کیا تجھے موت نہیں آئے گی؟
- (۲)۔ اے دنیا طلب کرنے والے۔ دنیا کو اپنے اصل مشن کی خاطر ترک کر دے۔
- (۳)۔ تو کہاں تک دنیا طلب کرتا رہے گا۔ تیرے لئے تو جھاڑی کا سایہ ہی کافی ہے۔ جو ہدایت کی راہ پر چلا اس نے اپنے گوھر مقصود کو پالیا۔

تمت الوصیۃ

وصلی اللہ الہادی الحق علی حبیبہ الہادی المبین محمد
وآلہ وعترتہ بعدد کل معلوم لہ

★...★

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خلاصہ فتوح الغیب

- (غوث اعظم و قطب الاقطاب سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس)
- ☆۔ مقالہ نمبر 1۔ مومن کے لیے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شریعت کے اوامر پر عمل کرے، نواہی سے بچے اور تقدیر پر راضی رہے۔
- ☆۔ مقالہ نمبر 2۔ سنت پر چلو۔ مصائب میں ثابت قدم رہو۔ دربارِ خداوندی سے نہ ہٹو۔ گناہوں کی معافی مانگتے رہو۔ بااخلاق بنو۔
- ☆۔ مقالہ نمبر 3۔ مصائب و بلائیں جن کا حل نہ انسان کے اپنے بس میں ہو اور نہ لوگوں کے بس میں، انقطاع الی اللہ یعنی ہر چیز سے کٹ کر اللہ کا ہو جانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔
- ☆۔ مقالہ نمبر 4۔ بندہ جب خواہشات کو ختم کر دیتا ہے تو اسے دولتِ استغناء اور علم لدنی نصیب ہوتے ہیں۔ وہ ہر دلعزیز بن جاتا ہے اور لوگوں کے لیے مشکل کشا۔

☆۔ مقالہ نمبر 5۔ جس طرح قضائے حاجت میں مصروف کسی شخص کو دیکھنا مکروہ محسوس ہوتا ہے، اسی طرح کسی دنیا دار کی طرف دھیان مت دو۔

☆۔ مقالہ نمبر 6۔ سب کچھ خدا پر چھوڑ دو، پھر وہ تمہیں علم سکھائے گا۔ اشیاء کی ماہیت بتائے گا۔ لباس معرفت پہنائے گا۔ جب تم اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں میں فنا کر دو گے، تو وہ تمہیں نئی خصوصیات کیساتھ از سر نو تخلیق کرے گا اور تم میں نئے ارادے پیدا کرے گا۔ انا عند المنکسرۃ لقلوبہم کا یہی مطلب ہے یعنی میں ان کے دلوں کے ٹوٹنے کے پاس ہوں۔ حدیث قدسی ہے لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل الحدیث۔ پس فنا کی حالت یہ ہے کہ لوگ اچھے ہوں یا بد۔ تم نیک ہو یا بدکار، اپنے آپ سے اور لوگوں سے لا تعلق ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ خیر و شر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس بات کا یقین تمہیں قضاء قدر کے خوف سے بے نیاز کر دے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اولیاء کو منزل ملتی ہے۔ ادارہ الہی میں اپنے ادارے کا دخل گناہ عظیم ہے۔ اولیاء سے اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کر دیتا ہے اور وہ فوراً توبہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ولی معصوم نہیں ہوتے۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 7۔ اپنے قلب پر پہرہ دو۔ غیر کی خواہش شرک ہے۔ جو حال و مقام ملے اسے اللہ کی طرف منسوب کرو۔ تغیر حال کے لیے ہر روز اللہ کی نئی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے۔ لہذا اپنے احوال دوسروں کو مت بتاؤ، ورنہ وہ سلب ہو سکتے ہیں۔ اللہ سے حال میں اضافے کی درخواست کرتے رہو۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منها او مثلہا۔ حدیث میں ہے کہ جب میرے قلب کو ڈھانپ لیا جاتا ہے تو میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں اور وہ حالت دوسری حالت میں بدل جاتی ہے۔ بندے کے لیے استغفار کی حالت سب سے بہتر ہے۔ اس میں اعتراف قصور ہے۔ قصہ آدم سے عبرت لینی چاہیے۔

☆۔ مقالہ نمبر 8۔ اپنی کیفیت سے ادنیٰ یا اعلیٰ کی آرزو مت کرو۔ بلکہ شاہی دروازے پر

پاسبان کی حیثیت سے کھڑے رہو، محل میں داخلے کی اجازت محض بادشاہ کا فریب بھی ہو سکتا ہے۔ داخلے کے پرزور حکم کا انتظار کرو۔ جو چیز تمہارے مقدر میں ہے تمہیں ضرور ملے گی، تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور جب قصر شاہی میں داخلے کا اذن و حکم مل جائے اور سیڑھیاں اور بالا خانہ بھی ملے کر جاؤ پھر بھی مؤدب، خاموش اور سرنگوں رہو۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آداب شاہی کو ملحوظ رکھو اور خدمت میں مشغول رہو۔ قرب میں خطرات زیادہ ہوتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 9۔ حدیث شریف میں ہے کہ نماز میں شدتِ خوف کے باعث نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے جوش کھاتی ہوئی دیگ کی طرح آواز آتی تھی یہ صفتِ جلالی کا مشاہدہ ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ صفتِ جمالی کا مشاہدہ ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 10۔ نفس کی مخالفت کرو۔ لوگوں سے ہدیہ و نذر کی توقع مت رکھو۔ فاعل حقیقی اللہ ہے۔ محنت و کوشش محض اسباب ہیں۔ محض اللہ پر اس طرح چھوڑنا کہ اسباب ترک ہو جائیں یہ عقیدہ جبر یہ ہے اور محض خدا کو بھول کر مخلوق کو پوجنا یعنی اسباب پر انحصار کر لینا عقیدہ قدر یہ ہے۔ الہام وہ درست ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ حرام مثلاً زنا اور مباح مثلاً اچھا کھانا پینا اور نکاح وغیرہ سے بھی اجتناب کرو۔ دراصل یہ بھی نفس ہی کی خواہشات ہیں اور اگر کسی ایسی بات کا الہام ہو جسے تم سمجھتے ہی نہیں مثلاً یہ کہ فلاں بزرگ یا آدمی سے جا کر ملو۔ تو اس پر عمل کرنے میں جلدی نہ کرو بلکہ انتظار کرو۔ اگر یہ امر الہی ہوگا تو بار بار یہی حکم ملے گا یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہوگی جو عالم باللہ لوگوں پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔ جس کام کا حکم شرع میں ہے اسے شرع کے مطابق اور جس کا حکم شرع میں نہیں اسے باطنی امر سے انجام دینے والا شخص اہل حقیقت میں سے ہوتا ہے اور جس کام کا حکم باطن سے بھی نہیں وہ خاص فضل الہی ہے، تقدیر محض اور حالت تسلیم ہے۔ اس حالت میں امر کی اتباع یہی ہے کہ بندہ اپنی نفی کر دے اپنے حول و قوت سے بے زار ہو جائے۔ دنیا و آخرت کی کسی چیز کا خواہشمند نہ رہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 11۔ اگر نکاح کی خواہش ہو مگر ناداری ہو تو اللہ سے دعا کرو یا وہ توفیق دے

دے گا یا خواہش منادے گا۔ شکر کرو ان شکر تم لازیدنکم۔ صبر کرو، بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 12۔ محبت نعمت سے نہیں، منعم یعنی نعمت دینے والے سے کرو۔ اگر تم مولیٰ کے خادم رہو گے تو دولت تمہاری خادم رہے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 13۔ ضرر اور راحت سے جو آتا ہے وہ آ کر ہی رہے گا۔ بس تسلیم و رضا میں غرق ہو جاؤ۔ مصیبتوں کا راستہ دعاؤں اور بے صبری سے روکنے کی کوشش کبھی نہ کرنا۔ اللہ کریم کو تمہارے صبر و استقامت پر خوشی بھی ہے اور فخر بھی۔ خدا کے حکم کو خوشدلی سے سنو اور عمل پیرا ہونے کے لیے فوراً متحرک ہو جاؤ۔ اسے سن کر سوچتے ہی نہ رہو۔ تعجیل اور محنت سے کام لو۔ اگر اس کی تکمیل سے خود کو عاجز پاؤ تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ گڑگڑاؤ اور معافی چاہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سبب ڈھونڈو جس کی وجہ سے تم تعجیل حکم میں ناکام ہوئے اور اطاعت سے معزول ہوئے۔ خدا کے احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ، تمام کائنات تمہارا حکم مانے گی اور تمہیں کن فیکون کی طاقت ملے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 14۔ نفس کے بندوں کو چاہیے کہ صاحبانِ حال اور واصلیں باللہ کا مقابلہ نہ کریں۔ ان کی راہ میں تو ان کے اسلاف و اخلاف بھی رکاوٹ نہ بن سکے اور یہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 15۔ جب تم نے خدا سے ناطہ جوڑ لیا ہے تو پھر زبان بند رکھو اور دل میں خیال بھی مت لاؤ۔ اس لیے کہ دل میں خیال و خواہش کا کرنا اور زبان سے مانگنا ایک ہی چیز ہے۔ عزت و ذلت دینے میں خدا کی ہر روز نئی شان ہوتی ہے۔ کسی کو علین تک رفعت بخشا ہے اور کسی کو اسفل سافلین تک گرا دیتا ہے۔ پہلا طبقہ چاہتا ہے کہ اس مقام رفیع سے گرا نہ دیئے جائیں۔ دوسرا طبقہ خائف رہتا ہے کہ کہیں ہمیشہ اسی پستی میں نہ رہنا پڑے۔

☆۔ مقالہ نمبر 16۔ آقائے دو عالم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حلال روزی

حاصل نہ کرو گے تو یہ شرک ہوگا۔ پھر اگر مخلوق سے قطع تعلق کر کے کسب کی طرف راغب ہو گے تو یہ بھی شرک ہوگا، اگرچہ یہ اس پہلے شرک کی نسبت خفی ہے۔ اگر اس سے بھی توبہ کر کے محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر رزاقیت کا یقین کر لو گے تو خدا تمہیں رزق دے گا جہاں سے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ پھر جب تمہارے دل میں ارادہ الہی کے سواء کسی چیز کی رغبت نہیں رہے گی، تو جب خدا چاہے گا تمہاری قسمت کا حصہ تمہیں عطا فرما دے گا۔ پھر تمہیں مخلوق سے مزید دور کر دیا جائے گا۔ تمہارے باطن میں صرف اللہ رہ جائے گا، سینہ کھل جائے گا، دل منور ہو جائے گا۔ قرب خداوندی اور عزت و منزلت ملے گی۔ پھر تمہیں یہ جتنا دیا جائے گا کہ بزرگی اور کرامت کے باعث تمہارا خاص حصہ تمہیں کب ملے گا۔

(۱)۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا (۲)۔ الذین جاهدوا فینا لنهیدینہم سبلنا (۳)۔ اتقوا اللہ (۴)۔ ویعلمکم اللہ، یہاں تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور کن فکاں کی طاقت ملتی ہے۔

☆ مقالہ نمبر 17۔ مخلوق سے انقطاع، خود کو خدائی افعال کے تحت کر لینا اور اپنی حرکت و ارادے کو چھوڑ دینا فنایت کی یہی حالت خدا تک رسائی ہے۔ قرب الہی کے مراتب الگ الگ ہیں۔ انبیاء و اولیاء کے ساتھ خداوند کریم کے معاملات جدا گانہ ہیں، کسی ایک کے راز کو خدا کے سواء دوسرا نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ عالم روحانیت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کے رموز سے اس کے شیخ کو اطلاع نہیں ہوتی اور شیخ کے اسرار سے مرید واقف نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ باطنی ارتقاء کے لحاظ سے مقام شیخ کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے۔ مرید جب شیخ کی حالت و کیفیت اور اس کے مقامات تک رسائی حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے شیخ سے جدا کر دیتا ہے اور اسے اپنی ولایت میں لے کر سب مخلوق سے جدا کر لیتا ہے۔ کیفیت شیخ وہ ہو جاتی ہے جو دودھ پلانے والی دائی کی دو سال کے بعد۔ اسے مخلوق میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ مرید کو سود و زیاں، عطاء و منع، خوف و امید کے عالم میں خدا کے سواء کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ تمام دنیا سے یوں بے نیاز ہو جاتا ہے

جیسے ایک مردہ لاش سے انسان کو ناامیدی اور بے نیازی ہوتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 18۔ اگر تم تکلیف میں شکر بجالانے کو جھوٹ سمجھتے ہو تو یہ جھوٹ شکایت کرنے کے سچ سے بہتر ہے۔ کسی کو اپنے حالات مت بتاؤ۔ وان یمسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہوال آیہ اگر تمہارا گوشت قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو پھر بھی شکایت نہ کرو۔ جان لو کہ انسان پر جو بھی مصائب نازل ہوتے ہیں وہ اپنے رب سے شکایت کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں۔ طبعی میلان نہ ہونے کے باوجود جہاد فرض کیا گیا ہے عسی ان تکرہوا شیئاً وھو خیر لکم ال آیہ

☆۔ مقالہ نمبر 19۔ تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ تمہیں اس طرح دعوت دی جائے گی ”بے شک تم آج امانت دار کی حیثیت سے ہمارے پاس ٹھہرو“ جب یہ دعوت تمہیں بار بار دہرائی جائے تو سمجھ لو کہ تم خاص بندوں میں شمار ہونے لگے ہو۔ پھر تمہارے دل سے ہر غرض اور ہر ارادہ اس طرح نکل جائے گا جس طرح سوراخ والے برتن میں پانی نہیں ٹھہرتا۔ خدا کی رضا تمہیں مل جائے گی اور افعال خداوندی کی لذت و نعمت بھی مل جائے گی۔ اس وقت تم سے کوئی اطمینان بخش وعدہ کیا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں تمہارا کوئی ارادہ پایا گیا تو اس وعدے کو اور ارفع کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس سے زیادہ کوئی ارادہ تمہارے دل میں نہ رہا تو پھر اس وعدے سے مزید اعلیٰ وعدے کی طرف تمہیں لے جایا جائے گا اور یہ مہربانی، ارادہ ختم ہونے کے استغناء کی وجہ سے ہوگی۔ معرفت اور علم کے دروازے تم پر کھلیں گے۔ امور کی اصلیت، رموز کی حقیقت اور ایک وعدے سے دوسرے وعدے کی طرف رجوع کی خفیہ مصلحتیں بتادی جائیں گی۔ حفاظت حال کے باعث مرتبے میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ رموز و اسرار کی حفاظت کے سلسلے میں دیانت و امانت کے باب میں تمہارا رتبہ بڑھ جائے گا۔ تمہارا سینہ کھول دیا جائے گا، دل میں نور، زبان میں فصاحت زیادہ ہوگی۔ پھر تم محبوب خلائق بن جاؤ گے۔

☆۔ مقالہ نمبر 20۔ حدیث دع ما یریک الی مالایر بک مشکوک چیزوں سے بچو، مخلوق

سے خوف اور امید نہ رکھو۔ عطیات و نذر و نیاز پر نظر نہ رکھو، یہ تو اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔ خدای سے مانگو۔

☆۔ مقالہ نمبر 21۔ میں نے ۱۲ اذی الحج ۱۴۹۱ھ اتوار کے دن خواب دیکھا۔ میں نے ابلیس کو مارنا چاہا۔ اس نے کھسپانا سا ہو کر ہنس کر کہا کہ تقدیر شر کے ساتھ جاری ہو تو میں اسے خیر میں نہیں بدل سکتا اور اگر خیر کے ساتھ جاری ہو تو اسے شر میں نہیں بدل سکتا۔

☆۔ مقالہ نمبر 22۔ جتنا کسی کا ایمان قوی ہوگا اتنا ہی امتحان قوی ہوگا۔ ابدال سے نبی، نبی سے رسول اور سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کا ایمان قوی ہے اور ابتلا بھی سب سے عظیم۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتا ہے تو بلیات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 23۔ جو کچھ ملے اسی پر قناعت کرو۔ یاد رکھو اگر طلب نہیں کرو گے تو بھی تمہارا حصہ ضائع نہیں ہوگا اور جو قسمت میں نہیں وہ کوشش سے بھی نہ ملے گا۔ دینے لینے کے عمل میں اپنی تدبیر سے کام مت لو۔ تم اس کی قضا سے جھگڑا نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے ٹکڑے اڑا دے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 24۔ عبادت کا بدلہ نہ چاہو۔ حصولِ رتبہ کے لیے عبادت مت کرو۔ خدا کے ہاں تمہارا کوئی حق نہیں تم محض بندے ہو اور تمہاری ہر چیز اپنے آقا کے لیے ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 25۔ امیروں کے ایمان کا درخت کمزور ہوتا ہے اور اس چیز سے خالی ہے جس چیز سے فقیروں کے ایمان کا درخت بھرا ہوا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 26۔ جب تک نفسِ امارہ مرنے جائے اپنے احوال پوشیدہ رکھو۔ تسخیرِ خلق کی غرض سے بیان نہ کرو۔ جب اللہ کو منظور ہوگا لوگ کچے چلے آئیں گے اور اس وقت خود بینی کا فخر بھی پیدا نہ ہوگا۔ اگر کوئی خوبصورت بیوی تمہاری قسمت میں ہے تو اس کی کفالت کے لیے تمہیں بہت کچھ مل جائے گا۔ اس عورت کے باعث تمہیں معاشی فراخی ملے گی۔ اگر بیٹا مقدر میں ہے تو وہ ملے گا۔ خدا سے ڈرو سر کو جھکا لو حیا کرو۔ تمہارا مقدر تمہیں مل کر رہے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 27۔ خیر اور شر ایک ہی درخت کی دو شاخوں کے پھل ہیں۔ شر ایک ہی دفعہ کھایا تو زہر کی طرح ہلاک کر دے گا۔ جب کہ خیر کا پھل زندگی بھر بار بار کھانا پڑتا ہے، صبح و شام کھانا پڑتا ہے اور ساتھ ہی شر والی ٹہنی سے احتیاط بھی رکھنا پڑتی ہے کہ کہیں شر کا پھل ہاتھ میں نہ آ جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 28۔ جب تک نفس میں ہلکی سی خواہش یا دنیوی و اخروی جزا کی تمنا موجود ہے تم فنا کے دروازے پر ہی رہو گے اندر نہیں جاسکتے۔ عجلت سے کام نہ لو، قضاء و قدر پر راضی رہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 29۔ فقر پر صبر کرنے والے کو مزید اگر فقر میں رکھا جائے تو ممکن ہے شکایت کر بیٹھے۔ کاد الفقر ان یکون کفر کا مصداق بنے۔ نعوذ باللہ من ذالک

☆۔ مقالہ نمبر 30۔ مت سوچو کہ کونسا عمل کون سی تدبیر کروں۔ تمہارے لیے مناسب یہ ہے کہ تم جس حالت میں ہو اسی میں ٹھہرو جب تک خداوند تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کشادگی نصیب نہ ہو جائے۔ اصبر و او صابر و او ابطوا۔ حدیث میں ہے کہ جس طرح جسم کے لیے سر ہے اسی طرح ایمان کے لیے صبر ہے۔ ومن یتق الله يجعل له مخرجاً

☆۔ مقالہ نمبر 31۔ کسی سے بغض ہو جائے تو دیکھو کہ اللہ کا مطیع ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو تمہارا بغض غلط ہے اسے محبت سے بدل دو۔ یونہی الحب فی الله والبغض فی الله

☆۔ مقالہ نمبر 32۔ جس بندے کو کسی چیز سے محبت ہوتے ہی وہ چیز ضائع ہو جایا کرے تو ایسا بندہ محبوبِ خدا ہے۔ دراصل غیرتِ خداوندی اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 33۔ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اول جس کے پاس نہ زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علمائی۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔ سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں۔ عزلت نشین، خاموش، اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے۔ ایسوں کی ہم نشینی فائدہ دیتی ہے۔ چہارم جنہیں عالم ملکوت میں عزت

اور بزرگی حاصل ہے۔ خدائی اسرار و علوم کے امین۔ اصلاح خلق پر مامور۔ انبیاء علیہم السلام کے جانشین، انسانیت کے جوہر خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ ان کی مخالفت مت کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 34۔ فراخی کا انتظار کرو۔ دعا کرتے رہو۔ دعا نہ کرنا اور ابتلاء سے موافقت کر لینا بھی درست ہے۔ جب کہ دعا کرنا اور قبولیت میں جلدی نہ کرنا بھی درست ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 35۔ حدیث میں ہے کہ شاہی چراگاہ کے ارد گرد چرنے والے کے لیے بعید نہیں کہ اس میں منہ مار لے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس حلال اشیاء میں سے نو چیزوں کو حرام میں پڑنے کے خدشے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مباح کے ستر دروازے اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ کہیں گناہ میں ملوث نہ ہو جائیں۔ یاد رکھو! رخصت میں خطرہ اور عزیمت میں سلامتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 36۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی نیت سے آخرت نہیں دیتا بلکہ آخرت کی نیت سے دنیا دیتا ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ میرے اعمال کی متابعت سنت ہے اور میری باطنی حالت توکل اختیار کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ تم حضور کی سنت اور باطنی حالت کے درمیان ہو۔ اگر تمہارا ایمان مستحکم نہیں تو سنت پر عمل کرتے رہو اگر ایمان پختہ ہے تو پھر توکل کی حالت اپنالو۔ قرآن و سنت سے تجاوز نہ کرو۔ اس پر عمل کر کے ہی ولایت ابدانیت و غوثیت مل سکتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 37۔ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو (الحدیث)۔ حسد کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے کھانے والے کتے پر حسد کیا جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 38۔ اس چیز کا دعویٰ نہ کرو جو تمہیں حاصل نہیں۔ قضا و قدر کے جو تیر تمہیں زخمی کرنے آتے ہیں ہلاک کرنے نہیں، ان کا نشانہ بن کر خدشات کا شکار ہو جاؤ گے۔ جو شخص خدا کی راہ میں ہلاک ہوتا ہے اس کا اجر خود خدا کے شان کرم کے ذمے ہوتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 39۔ حکم خداوندی کے بغیر کسی چیز کو لے لینا خدا کی مخالفت اور حکم ملنے پر خواہش کے بغیر لے لینا موافقت ہے، ایسی نعمت کو چھوڑنا ریاء و نفاق ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 40۔ روح جب اعضاء و جوارح کے بندھن سے آزاد ہو جائے گی اور تم سراپا روح بن جاؤ گے تو سراسر اور غیب الغیب ہو جاؤ گے گویا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھے ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 41۔ جب طالب فیض و عنایات کو دیکھتا ہے تو مغرور ہو جاتا ہے کہ یہ حالت ہمیشہ کے لیے ہے۔ مگر اسے نکالیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ چاروں طرف سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ نہ آگے جاسکے نہ پیچھے۔ نہ کوئی کیا ہوا وعدہ پورا ہو۔ نہ بزرگی ملے نہ رخصت پر عمل کر سکے نہ کوئی مرضی پوری ہو۔ یہاں نفس پگھلنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ خواہشات ختم ہونے لگتی ہیں اور محض روح باقی رہ جاتا ہے اور ایوب علیہ السلام کی طرح وہی آواز سنتا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر مارو نہانے، پینے کا ٹھنڈا پانی پاؤ گے۔ پھر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 42۔ تنگی پر صبر کرو۔ افعال خداوندی کی مصلحت و حکمت کو بندوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 43۔ جو خدا کو جان لے گا وہ مخلوق سے کبھی سوال نہیں کرے گا۔ اور اللہ سے حیا کرے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 44۔ خوف اور امید آخرت تک چلتے ہیں۔ دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ امید غالب نہ آجائے۔ دوم اس لیے بھی کہ خواہش کرنا دراصل شریک ٹھہرانا ہے البتہ سوال کرنے کا حکم ملے تو تعمیل ضروری ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 45۔ مصائب تین وجوہ سے آتے ہیں۔ اول جرم کی سزا، دوم گناہوں کو زائل کرنے کے لیے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس میں شکوہ کیے بغیر صبر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس ابتلاء میں دوستوں سے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ سوم بلندی منازل۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ فعل

خداوندی پر رضا و موافقت پائی جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 46۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول پر ابتلاء لاتا ہے۔ اسے دولت دیتا ہے۔ پھر چھین لیتا ہے۔ سوال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پھر سوال ﴿﴾ رکھتا ہے اور سنت پر چلاتا ہے یعنی کسبِ حلال۔ مگر پھر کسب کو بھی مشکل کر دیتا ہے۔ پھر اسے الہام کرتا ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ ایسے حکم کو بجالانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ نفس کو مارنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ پھر سوال ﴿﴾ کر لیا جاتا ہے۔ پھر اسے صرف اللہ ہی سے سوال کرنے کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ اگر سوال نہ کرے چپ رہے تو اسے نہیں ملتا۔ پھر زبانی سوال کی بجائے دل سے سوال کرنے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ زبان سے کچھ نہیں کہنا۔ پھر اسے اس سے بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔ بغیر مانگے دیا جاتا ہے۔ محض خطرہٴ دل پر عطا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت فنا ہے جو اولیاء و ابدال کی انتہا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 47۔ خواب میں مجھ سے کسی بوڑھے نے پوچھا کہ رب کا قرب کیسے ملتا ہے میں نے کہا اس کی ابتداء ورع سے ہے اور انتہاء تسلیم و رضا اور توکل پر۔

☆۔ مقالہ نمبر 48۔ فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا یا سنت کو چھوڑ کر نفل کو لینا ایسا ہے جیسے قرب و ولادت میں حمل گر جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 49۔ حرام سے بچو حلال کھاؤ۔ محض اپنی خواہش کے زیر اثر حلال کھانے میں بھی کوئی خیر نہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 50۔ نعمت و عطاء کے وقت یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مخلوق و اسباب کے ذریعے اس طرح کھلاتا ہے جیسے وہ خود کھلا رہا ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 51۔ جو مخلوق سے بے رغبت ہوتا ہے۔ مخلوق اسکی طرف راغب ہو جاتی ہے۔ اللہ اسکا متولی بن جاتا ہے۔ ان ولی اللہ الذی نزل الكتاب و هو یتولی الصالحین۔

☆۔ مقالہ نمبر 52۔ بعض بندوں کو مبتلاء امتحان صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ دعا کریں اور

اللہ انہیں عطا کرے۔ یہ عطا تاخیر سے بھی ہو سکتی ہے۔ عجلت نہیں کرنی چاہیے۔

☆۔ مقالہ نمبر 53۔ جو کچھ دوسروں کو حاصل ہے اسے زیادہ اچھا خیال کرتے ہوئے اس کی طلب میں مت لگو۔ تمہاری ہمت تھک جائے گی۔ زندگی ختم ہو جائے گی اعمال نامہ سیاہ ہو جائے گا مگر وہ چیز نہ ملے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 54۔ جب تک دل سے ہر خواہش ختم نہیں ہوتی آدمی زاہد کہلانے کا حق دار نہیں۔ مثلاً دولت، علم فقہ، حدیث و قرآن، نکاح و سواری، سکونت وغیرہ

☆۔ مقالہ نمبر 55۔ حصول لذت و مفاد چار طرح سے ہوتا ہے۔ اول اپنے نفس کی خواہش سے، یہ حرام ہے۔ دوم شرعی حکم کے مطابق کوئی کام کرنا، یہ حلال اور مباح ہے۔ سوم حکم باطن سے کوئی کام کرنا، یہ ارادے کا زوال مقام ابدالیت ہے اور بندہ مراد بن جاتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 56۔ جب نفس مر جاتا ہے اور بندہ راضی برضا ہو جاتا ہے تو اس سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسان اپنے ساتھ کیا ہوا وعدہ خود پورا نہ کر رہا ہو کیونکہ اس مقام پر بندہ خود خدا کا فعل اور ارادہ بن جاتا ہے۔ قرآن نے نبی کریم ﷺ کو اس مقام کی طرف متوجہ فرمایا۔ تریدون عرض الدنيا واللہ یرید الآخرة واللہ عزیز حکیم لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

☆۔ مقالہ نمبر 57۔ جب انسان باطنی لذت سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو اسے بسط کی حالت دے دی جاتی ہے۔ یہاں اسے وہی لذتیں حاصل کرنے کا حکم ہوتا ہے جو اس نے چھوڑی تھیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 58۔ اطراف سے آنکھیں موند لو۔ نظر سیدھی اپنے آقا و مالک پر رکھو۔ قرب کی راہ آسان ہو جائے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 59۔ منعم حقیقی پر نظر رکھو نہ کہ تحائف لانے والے غلام پر۔ رفع بلا کے لیے کنجی صبر ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 60۔ سلوک کی ابتداء یہ ہے کہ عادت و طبیعت کو چھوڑ کر شریعت اختیار کی جائے۔ دوسرا درجہ قضا و قدر کی طرف آنا ہے۔ تیسرا درجہ شرعی حدود کی حفاظت و نگہداشت کے ساتھ عادت طبعی کی طرف پلٹ آنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز، قرۃ عینی فی الصلوۃ۔ ہر ولی کی یہی حالت ہے کہ اس کے فنا ہونے کے بعد اس کی قسمت اور مقتضیات طبع حدود شرعی کے ساتھ اسے لوٹا دیے جاتے ہیں۔ انتہا سے ابتداء کی طرف واپسی کے یہی معنی ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 61۔ بندے کو شریعت کے حدود توڑنے سے اس طرح بچا لیا جاتا ہے جیسے یہ کام اسے سونپ کر اسے اجازت دے دی گئی ہے اور اس کے لیے یہ چیز جائز کر دی گئی ہے۔ اس حالت سے بڑھ کر کوئی حالت نہیں ہے اور یہی اصل غایت ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 62۔ کسی کے تقرب، عطا و فناء پر حسد نہ کرو۔ اللہ کی ذات پر نگاہ رکھو۔

☆۔ مقالہ نمبر 63۔ میں نے خواب دیکھا کہہ رہا ہوں کہ تو باطن میں اپنے نفس کو، ظاہر میں مخلوق کو اور عمل میں اپنے ارادے کو خدا کا شریک کرتا ہے۔ کسی نے مجھ سے پوچھا یہ کیسی بات ہے میں نے جواب دیا۔ یہ معرفت کی ایک قسم ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 64۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میری نفس ترین خواہش یہ ہے کہ مجھے ایسی موت ملے جس میں حیات نہ ہو اور ایسی حیات ملے جس میں موت نہ ہو۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ میں اپنی ہم جنس مخلوق سے یوں مر جاؤں کہ ان میں زندہ بھی رہوں اور ان میں پایا بھی نہ جاؤں۔ ثانی الذکر سے مراد یہ ہے کہ میں اپنے پروردگار کے فعل میں زندہ رہوں اس طرح کہ میرا وجود نہ ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 65۔ مالک کو رعیت میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ یہ ظلم نہیں۔ جو فعل خداوندی تمہاری طبع اور خواہش نفس کے خلاف ہو اس پر اعتراض کرتے ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 66۔ یہ مت کہو کہ میں دعا کروں نہ کروں میرا مقدر مجھے مل جائے گا۔ دعا ضرور کرو۔ دعا کا تو اللہ نے حکم دیا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 67۔ جب نفس جہاد میں قتل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی پائے۔ یہی معنی ہے رجعتنا من الجہاد الا صغر الی الجہاد والا کبر کا۔

☆۔ مقالہ نمبر 68۔ بندے کا سوال ارادہ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو دعا مقبول گنی جاتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 69۔ اللہ سے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق مانگو۔ حسن اطاعت، رضا، صبر، شکر اور خاتمہ بالخیر ہونے کی دعا مانگو۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت طلب کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 70۔ خیر کو خدا کی طرف اور شر کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 71۔ مرید اور مراد دونوں پر امتحان آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بڑا مراد کوئی نہیں مگر ابتلاء سب سے زیادہ ہوا۔

☆۔ مقالہ نمبر 72۔ بازار جانے والے پانچ قسم کے ہیں۔ اول نفس کے بندے، دوم جبر و تکلف سے کام لے کر بچنے والے، سوم جو نعمتوں پر شکر خدا کرتے ہیں، چہارم جو بظاہر بازار والوں سے بات کرتے ہیں مگر دیدار خداوندی میں مصروف ہوتے ہیں، پنجم جو بازار کے لوگوں پر رحم کھاتے اور اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 73۔ اولیاء کو لوگوں کے عیوب و کمالات پر آگاہی مل جاتی ہے۔ وہ کبھی کبھار کسی مصلحت سے انہیں ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔ ان کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہوتا۔ بلکہ ممکن ہے اسے عیب کھول دینے سے ہدایت مل جائے۔ سکوت رکھو۔ ولی پر غیبت کا الزام مت دو۔

☆۔ مقالہ نمبر 74۔ عاقل وہ ہے جو پہلے اپنے وجود کی حالت اور ہیئت ترکیبی پر غور کرے، پھر ساری مخلوق اور مختلف ایجادات پر غور کرے اس طرح اسے خالق اور مخلوق کی ایجاد پر دلیل دستیاب ہو جائے گی۔ یہ تفسیر ہے اس آیت کی *هو الذی سخر لکم مافی الارض* جمیعاً۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور کیا ہی خوب تفسیر کی ہے۔ دراصل ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کا ظہور ہے۔ اسکی ذات اس کی صفت میں اور صفت فعل میں پوشیدہ ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 75۔ تصوف کو علم سے نہیں نرمی سے شروع کرو۔ علم وحشت پیدا کرتا ہے اور نرمی انس۔ تصوف کی اساس آٹھ چیزوں پر ہے۔ حضرت ابراہیم کی سخاوت، حضرت اسحاق کی رضا، حضرت ایوب کا صبر، حضرت زکریا کی مناجات، حضرت یحییٰ کی غربت و مسافرت، حضرت موسیٰ کا لباس صوف، حضرت عیسیٰ کی سیاحت اور آقائے دو عالم جیسا فقر۔ *علیہم الصلوٰۃ والسلام*۔

☆۔ مقالہ نمبر 76۔ امیروں سے ملو تو خود داری اور وقار کے ساتھ۔ فقیروں سے ملو تو عاجزی کے ساتھ۔ چھوٹے پر حملہ کرنا نامردی، بڑے پر حملہ کرنا بے حیائی اور برابر والے پر حملہ کرنا بد اخلاقی ہے۔ جو تم پر ظلم کرے اس کو دعا دو اور ظلم سے حفاظت کی امید خدا سے رکھو۔ صبح و شام سات مرتبہ یہ دعا پڑھا کرو۔ *اللہم اجرنا من النار اور اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطن الرجیم اور هو اللہ الذی لا الہ الا هو عالم الغیب والشہادۃ هو الرحمن الرحیم سورہ* حشر کے آخر تک پڑھا کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 77۔ زہد ایک ساعت کا کام ہے، تقویٰ دو ساعت کا، اور معرفت خداوندی دائمی ہے۔ مخلوق کے وجود کو نظر انداز کر کے خدا کے ساتھ رہو۔ رب تعالیٰ کے سوا باقی سب تمہارے دشمن ہیں۔ ایک بندہ ہو اور ایک اس کا رب ہو۔ بس۔

☆۔ مقالہ نمبر 78۔ اولو العزم سالکوں کی دس خصلتیں ہیں۔ اول قسم نہ کھائے، سچی ہو یا جھوٹی۔ دوم جھوٹ نہ بولے خواہ مذاق ہو۔ سوم وعدہ وفا کرے ورنہ وعدہ کرے ہی مت۔ چہارم

کسی مخلوق پر لعنت نہ کرے۔ پنجم کسی کے لیے بددعا نہ کرے خواہ اس نے ظلم کیا ہو۔ ششم اہل قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر، شرک یا نفاق کی گواہی نہ دے۔ ہفتم ظاہر باطن اعضاء و جوارح کو معاصی سے بچائے۔ ہشتم کسی مخلوق پر بوجھ نہ ڈالے بلکہ سب کا بوجھ خود اٹھائے۔ نہم کسی سے حرص و طمع نہ رکھے۔ دہم تواضع کرے۔ یہ خصلت سب اطاعتوں کی اصل اور فرع اور کمال ہے۔ بڑے، چھوٹے، ہم عمر، عالم، جاہل حتیٰ کہ کافر کے مقابلے پر بھی تواضع کرے اور دل میں اسے خود سے افضل کہے۔ ایسا شخص نہ کسی کا گلہ کرتا ہے نہ سن سکتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 79۔ اپنے صاحبزادے حضرت عبدالوہاب قدس سرہ کو وصیت فرمائی کہ کسی سے نہ ڈرنا سوائے خدا کے۔ اسی سے مانگنا، توحید پر رہنا۔

☆۔ مقالہ نمبر 80۔ حکم منسوخ ہو سکتا ہے۔ علم منسوخ نہیں ہوتا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالعزیز، حضرت عبدالجبار اور حضرت موسیٰ علیہم الرحمۃ کا تذکرہ اس مقالے میں ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

★...★...★

WWW.NAFSEISLAM.COM

سلسلہ طیبہ قادریہ

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على رسوله

وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد!

هذه سلسله مشائخ الطريقة القادرية

رضوان الله تعالى عليهم اجمعين

۱۔ الہی بھرت سید الکوئین رسول الثقلین محبوب رب العلمین خاتم النبیین

حضرت سیدنا محمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً

۲۔ الہی بھرت لعسیوب الموحدین شمس المشارق والمغارب امیر المؤمنین سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ عنہ۔

۳۔ الہی بھرت شیخ المشائخ قدوة العلماء الربانیین حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ۔

۴۔ الہی بھرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۵۔ الہی بھرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ داؤد طائی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۶۔ الہی بھرت شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۷۔ الہی بھرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سرری سقطی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۸۔ الہی بھرت شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ

تعالیٰ سرہ۔

۹۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوبکر شہلی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۰۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن عبد العزیز تمیمی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۱۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوالفرح طرطوسی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۲۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمد یوسف القرشی (ہکاری) قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۳۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی سعید المبارک المحرمی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۴۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ محبوب حقانی قطب صمدانی حضرت خواجہ شیخ محی الدین پیر دستگیر سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ سبحانہ و تعالیٰ عنہ۔

۱۵۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالوہاب قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۱۶۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید صوفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۷۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ احمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۸۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۱۹۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید علی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۰۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شاہ میر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

- ۲۱۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۲۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید محمد غوث قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۳۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۴۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبدالرزاق قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۵۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید حامد محمد شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۶۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۷۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۸۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۲۹۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۳۰۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حامد شاہ گنج بخش قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۳۱۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شمس الدین محمد صالح شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۳۲۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ فرد الحقیقۃ حضرت خواجہ سید عبدالقادر حسینی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۳۳۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ سراج الواصلین، فخر العاشقین، محب النبی علیہ افضل الصلوٰات والتسلیمات حضرت سید محمد بقا حسینی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔
- ۳۴۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ شمع اولیاء محی السئۃ النبویۃ ما حی آثار البدعۃ بدرقۃ السالکین موصل الطالبین الی مطالبہم حضرت الشیخ السید محمد راشد رضی اللہ سبحانہ وتعالیٰ عنہ۔

۳۵۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت پیر سائیں محمد یسین شاہ المعروف پیر سائیں جگہ والے قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۶۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ پیر سائیں رشید الدین شاہ صاحب المعروف بیعت کے مالک قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۷۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ جناب فیض م آ ب قطب الاقطاب سراج الواصلین، فخر العاشقین، محب النبی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت پیر سائیں سید امام الدین شاہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۸۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ و قطب الاقطاب فیض م آ ب سید العارفین و فخر العاشقین حضرت پیر سائیں محمد قاسم محدث مشوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۹۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ و قطب الاقطاب حضرت سخی سائیں محمد عرف سائیں نالے مٹھا قدس سرہ الاقدس۔

۴۰۔ انسلك بمشائخ الکرام، بفضل اللہ الکریم و بکرم رسولہ الکریم، المتوسل الی جناب اللہ العظیم، بمشائخ السلسلۃ الفقیر غلام رسول القاسمی۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

★...★...★